بات عمر بھر کی ہے

از

عمیرہ احمد

بات عمر بھر کی ہے

میرا سانس ابھی تک رکا ہوا ہے میں ایک سکتے کے عالم میں اسے دیکھ رہی ہوں۔ ابھی ابھی جو کچھ ہوا ہے، اس کے بعد ہاں اس کے بعد بھی وہ بے حد نارمل ہے۔ بہت پرسکون ہے۔ یوں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں اس نے اپنا دوپٹہ اتار کر کرسی پر پھینک دیا ہے۔ اب وہ اپنے سفید کھلے کرتے کی آستینیں فولڈ کر رہی ہے اور پھر اس نے اسٹیپس میں کٹے ہوئے شانوں پر بکھرے ہوئے ریشمی بالوں کو ہیئر بینڈ میں باندھا ہے۔ ٹیبل پر رکھے ہوئے گلاس سے پانی پینے کے بعد اب وہ فریزر سے آئس کریم نکال کر کھانے لگی ہے۔ اس کا چہرہ بالکل بے تاثر اور مطمئن ہے۔ اس کی سانولی رنگت یک دم مجھے اجلی لگنے لگی ہے۔ اس کا عام سا چہرہ میرے لیے بہت خاص بن گیا ہے۔

مجھے وہ بیٹی نہیں ایک مرد لگ رہی ہے۔ اونچا، لمبا، چوڑا، پُراعتماد، بے خوف مرد جسے کسی چیز کی پروا نہیں ہوتی جو دوسروں کو تحفظ دے سکتا ہے۔ وہ میری طرف متوجہ نہیں ہے مگر جانتی ہے میں یہیں کھڑی ہوں میں چاہتی بھی نہیں۔ وہ مجھے دیکھے، میرا جی چاہ رہا ہے، میں جا کر اس کے پیروں سے لپٹ جاؤں اس کی گود میں چھپ جاؤں۔ اس کے سینے میں منہ چھپالوں پھر روؤں دھاڑیں مار مار کر، مگر میں اب بھی پتھر کے بت کی طرح ساکت ہوں۔ مجھے لگ رہا ہے، وہ میری بیٹی نہیں ہے۔ وہ کوئی اور ہے میں نے تو اپنی بیٹی کو یہ سب کچھ کبھی بھی نہیں سکھایا پھر میرے سکھائے بغیر اسے یہ سب کیسے آگیا۔

میرا وجود خوف، شکست خوردگی، بے اعتمادی اور مایوسی کا منبع تھا۔ پھر اس منبع نے سنبل جیسا موتی کیسے تراش لیا تھا۔ اسے وہ کون سا گر، کون سا ہنر آتا تھا جس نے اسے مکمل کیا تھا۔

دھیرے دھیرے میں پلکیں جھپکنے لگی ہوں، میں نے دیوان سے ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لی ہیں۔ پانی میرے گال بھگونے لگا ہے۔ یہ کسی دکھ، کسی تکلیف کا اظہار نہیں ہیں۔ آپ جانتے ہیں، بعض دفعہ بے تحاشا خوشی بھی تو رلاتی ہے۔ یہ ایسے ہی آنسو ہیں، بند آنکھوں نے سنبل کو میری نظروں سے اوجھل کر دیا ہے۔ مگر ذہن سے نہیں۔

میرا دل چاہ رہا ہے، تیس سال بعد آج میں بالآخر ہنسوں، قہقہے لگاؤں رقص کروں، چیخوں چلاؤں۔ بھاگوں ہر ایک کو بتاؤں۔ اس خزانے کے بارے میں جو پچھلے بائیس سال سے میرے پاس تھا اور مجھے پتا ہی نہیں تھا۔ لوگوں کو بتاؤں کہ میرے پاس کیا ہے جو کسی اور کے پاس نہیں ہے ان سے کہوں کہ سنبل، ہاں سنبل میری بیٹی ہے۔ وہ میری ہے، صرف میری۔"

"آپ مجھے نہیں جانتے۔ پچھلے بہت سے سالوں سے کوئی بھی نہیں جانتا۔ میں نے کبھی آپ کو اپنے بارے میں بتانے کی کوشش ہی نہیں کی میرا خیال ہے، مجھے اپنے بارے میں کچھ بھی بتانے کی ہمت ہی نہیں تھی اور اب میرا دل چاہ رہا ہے۔ میں آپ میں سے ایک ایک کو پکڑ کر اپنے

بارے میں بتاؤں۔ مومنہ عادل کے بارے میں ہاں میرا نام مومنہ عادل ہی ہے۔نہیں مومنہ عادل تو تیس سال پہلے تھا اب مومنہ فاروق ہے۔ میں کون ہوں یہ مجھے بیالیس سال بعد پتا چلا ہے آپ ٹھیک سمجھتے ہیں میری عمر بیالیس سال ہی ہے۔

بیالیس سال پہلے میرے باپ کے گھر میں ایک ننھے سے سانولے وجود نے جنم لیا۔سب کو بے تحاشا حیرت ہوئی تھی۔

''سانولی رنگت تو ہماری پچھلی سات پشتوں میں نہیں ہے پھر یہ۔''

میری دادی نے مجھے اٹھاتے ہوئے کچھ حیرت زدہ ہو کر کہا۔

میری پھوپھو نے بات ہنسی میں اڑائی تھی۔مگر بات ہنسی میں ختم نہیں ہوئی۔ میں دو بہنوں اور دو بھائیوں میں سب سے چھوٹی تھی۔ ماں باپ کی آخری اولاد تھی۔فطری طور پر انھیں مجھ سے سب سے زیادہ محبت ہونی چاہیے تھی مگر ایسا ہوا نہیں۔ میرے چہرے نے شاید ان کے اور میرے درمیان بہت فاصلہ کھڑا کر دیا تھا۔

بچپن میں میں Ugly Duckling کی کہانی بہت شوق سے پڑھتی تھی اور بار بار پڑھتی تھی مجھے اپنا وجود بھی ایک Ugly Duckling ہی لگتا تھا۔معمولی، عام اور بدصورت ایسا نہیں تھا کہ میرے ماں باپ اور گھر والوں کو مجھ سے محبت ہی نہیں تھی۔ انھیں محبت تو تھی مگر یہ طے نہیں کر پاتے تھے کہ کتنی محبت کرنی چاہیے نہ ہی یہ فیصلہ کر پاتے تھے کہ کس قسم کی ہونی چاہیے۔ ہمدردی والی محبت، بھیک والی محبت، مجبوری والی محبت یا فطری محبت۔

اور وہ ساری عمر ہی یہ طے نہیں کر پائے۔مگر میں نے بہت کچھ طے کر لیا تھا۔ مجھے کیسی زندگی گزارنی ہے اور کس طرح گزارنی ہے یہ میں نے تب طے کر لیا تھا جب شاید مجھے زندگی کے مفہوم سے بھی آگاہی نہیں تھی۔ جب آپ کے وجود میں کوئی کمی ہو، کوئی بہت بڑی کمی تو پھر آپ کو ہمیشہ دوسرے لوگوں کا سایہ بن کر زندگی گزارنی چاہیے۔ کبھی آگے آنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیے۔ اتنا معمولی بن جانا چاہیے کہ کوئی آپ پر سرسری سی نظر ڈالنا بھی گوارا نہ کرے۔ اس طرح آپ اپنے وجود کی اس خامی اس کمی کو چھپا لیں گے۔ کسی کو پتا ہی نہیں چلے گا کہ آپ میں کوئی کمی ہے۔ یہ سب میں اس وقت سوچتی تھی۔

سانولی رنگت اور معمولی شکل مجھے اس وقت اتنی ہی بڑی خامی لگتی تھی اور میں نے وہی سب کچھ کیا جو سوچا۔ میں نے اپنے وجود کو کمپلیکسز کا ایک مجموعہ بنا دیا۔ میں خود کو دوسروں کے سائے میں چھپانے لگی اور کسی نے مجھے یہ سب کرنے سے روکا نہیں، میرے جیسے عام اور معمولی لوگوں کے بارے میں شاید ان کے اپنے ماں باپ بھی ہمدردی سے نہیں سوچتے۔ معمولی لوگوں پر غصہ تو آ سکتا ہے مگر ان سے ہمدردی نہیں ہو سکتی۔

میں نے خاموشی کو اپنے وجود کا ایک حصہ بنا لیا۔ ماں باپ نے سوچ لیا کہ مجھ میں بات کرنے کی ہمت نہیں ہے۔

میں نے لوگوں سے میل جول ختم کر دیا۔ ماں باپ نے سمجھا میں تنہائی پسند ہوں۔ آدم بیزار ہوں۔

میرا دل پڑھائی سے اچاٹ ہونے لگا۔ ماں باپ سب سے کہنے لگے کہ مجھ میں ان کے دوسرے بچوں کی طرح اعلیٰ ذہنی صلاحیتیں نہیں ہیں۔

کچھ خامیاں مجھے اللہ نے دی تھیں۔ باقی سب گھر والوں نے، زندگی میں اللہ کی دی گئی خامیوں نے مجھے زیادہ نقصان پہنچایا یا گھر والوں کی عطا کردہ خامیوں نے؟ اس کا فیصلہ آپ کو کرنا ہے۔

اپنی رنگت کے بارے میں، میں نے اتنی بار لوگوں سے اتنا کچھ سنا تھا کہ اب اگر کوئی ہمارے گھر آتا اور میری رنگت کے بارے میں کچھ نہ کہتا تو مجھے پریشانی ہونے لگتی۔ مجھے وہ شخص انسان ہی نہیں لگتا تھا۔

عجیب بات ہے کہ اپنی ساری بدصورتی کے باوجود مجھے اپنے بہن بھائیوں سے بہت محبت تھی۔ ان کی دودھیا رنگت اور تیکھے نین نقش مجھے کسی قسم کے حسد میں مبتلا نہیں کرتے تھے۔ بلکہ مجھے ان پر رشک آتا تھا۔ میرے لیے وہ دیوی دیوتاؤں جیسے ہوتے گئے۔ میں ہر وقت ان کے آگے پیچھے پھرتی رہتی ان کے کام کرتی۔ ان کے ناز نخرے دیکھتی اور سوچتی خوبصورت لوگوں کو سب کچھ سجتا ہے۔ ادا بھی، غرور بھی، ان کا حق ہوتا ہے کہ ان کی بات مانی جائے۔ ان کے ناز اٹھائے جائیں۔ ان کے حکم سے سرگردانی نہ کی جائے۔ مجھے لگتا تھا جیسے اللہ نے ماں باپ کی اطاعت ہر حال میں لازم کر دی ہے۔ اسی طرح بدصورت لوگوں پر خوبصورت لوگوں کی اطاعت واجب ہے۔ یہ فلسفہ مجھے کس نے پڑھایا۔ کس نے سکھایا۔ مجھے خود بھی نہیں پتا بس میرا ذہن زندگی کے لیے جو قواعد و ضوابط بناتا رہتا تھا، ان میں سے کچھ اصول اور ضابطے یہ بھی تھے۔

کسی سے میری اتنی دوستی تھی ہی نہیں کہ میں اپنا ذہن اس کے سامنے کھول کر رکھ دیتی اور میری دوست مجھے کچھ سمجھاتی، زندگی کے کچھ گر سکھاتی۔ مجھے زمین پر قدم جمانا سکھاتی۔ جن سے کچھ دوستی تھی۔ وہ بھی میرے گھر والوں سے مختلف نہیں تھیں۔ باتوں باتوں میں میری رنگت کا تذکرہ کر دیتیں پھر ان کا ہر قہقہہ مجھے آگ پر تیزاب کے چھڑکاؤ جیسا لگتا، مجھے یوں محسوس ہوتا، جیسے میرا رنگ کچھ اور سیاہ ہو گیا ہے جیسے میرے چہرے کی بدصورتی کچھ اور بڑھ گئی ہے، میں جانتی ہوں میں اتنی بدصورت نہیں تھی جتنی خود کو سمجھنے لگی تھی۔ صرف ایک سانولی رنگت نے مجھے زندگی بھر کے لیے ایک برزخ میں ڈال دیا تھا اور اس برزخ سے میں پھر بیالیس سال بعد ہی نکل پائی ہوں۔

آپ نے کبھی کمہار کو مٹی کے برتن بناتے دیکھا ہے۔ وہ مٹی کے گندھے ہوئے ڈھیلے کو چاک پر رکھ کر گھماتا جاتا ہے۔ اتنا گھماتا ہے کہ پھر وہ ڈھیلا واضح طور پر نظر آنا بھی بند ہو جاتا ہے۔ مگر اس کی آنکھیں نہیں ہاتھ اس کی رہنمائی کرتے ہیں۔ ہاتھ مٹی کے ڈھیلے کو برتن بنا دیتے ہیں۔ کوئی پیالہ، کوئی صراحی، کوئی مٹکا، مجھے بھی گندھی ہوئی مٹی کی طرح سب نے مل کر دنیا کے چاک پر گھمایا تھا۔ اور کچھ بنا دیا تھا، مگر جو بنایا تھا اس شئے کی دنیا میں ایک ٹکے کے برابر بھی وقعت نہیں تھی ایک بے مصرف اور ناکارہ وجود، میں نہ پیالہ تھی نہ صراحی نہ مٹکا، میں تو صرف ایک کالی عورت تھی اور کالی عورت بھلا کالی عورت دنیا میں کیسے جیتی ہے؟

وقت گزرتا گیا تھا میں بڑی ہوتی گئی اور اک اور آگہی کے زہر سے آشنا ہو گئی۔ دیکھنے اور نہ دیکھنے، سراہنے اور دھتکارنے، چاہنے اور نہ چاہنے کے درمیان موجود فرق کو جاننے لگی تھی۔ پتا نہیں لوگ آگہی پانے کی دعا کیوں کرتے ہیں۔ آگہی نے میرے وجود کے اندر تو ببول کا درخت کھڑا کر دیا تھا۔ جس کا ہر کانٹا مجھے اندر سے لہولہان کرتا رہتا اور میں اللہ سے کہتی رہتی، اللہ تو نے مجھے کالی عورت کیوں بنایا کیا تو نہیں جانتا تھا، کالی عورت ہونا کتنا بڑا عذاب ہے۔ میں نے ساری زندگی اس ایک شکوے کے علاوہ خدا سے کوئی اور شکوہ نہیں کیا۔

میرے تینوں بہن بھائیوں کی شادیاں بہت کم عمری میں ہو گئی تھیں۔ وجہ پھر وہی تھی۔ خوبصورتی، قابلیت۔ خاندان میں سے ہر ایک اپنے بچوں کے لیے ان تینوں پر نظریں گاڑے بیٹھا تھا۔ میری بڑی بہن عارفہ کی شادی میری خالہ کے بیٹے سے ہوئی۔ وہ خود جتنی خوبصورت تھیں۔ ان

کے شوہر اس سے بھی زیادہ خوبصورت تھے۔ مبین بھائی کی شادی میرے تایا کی بیٹی سے ہوئی۔ سب سے چھوٹے حسیب بھائی کی شادی ماموں کی بیٹی سے ہوئی۔ ان شادیوں نے میری خاموشی کو اور بڑھا دیا تھا۔ مذاق اڑانے والوں کی تعداد میں اور اضافہ ہو گیا تھا اگر میرے بہن بھائیوں کی شادیاں خاندان سے باہر ہوتیں تو شاید میرے بہنوئی اور بھابیاں میرا مذاق اس طرح نہ اڑاتے جس طرح میری کزنز اڑاتی تھیں ان کے لیے میں نند یا سالی نہیں تھی صرف ایک کالی کزن تھی۔



پتا نہیں کیوں اور کیسے مگر میں نے بھی دل میں ایک خواہش پال لی تھی۔ یوں سمجھیے چاند کو پانے کا خواب دیکھ لیا۔ میں اس عمر میں تھی جب لڑکیاں بہت سے خواب دیکھتی ہیں۔ بہت سی آرزوئیں پالتی ہیں اور میری خواہش، میری آرزو تھی کہ میں خوبصورت نہ سہی میرا شوہر بہت خوبصورت ہو۔ میں سفید رنگت نہیں رکھتی نہ سہی، مگر اسے دودھ کی طرح گورا ہونا چاہیے۔ چاہے غریب ہو، چاہے بیمار ہو چاہے معذور ہو، چاہے آوارہ ہو، مگر خوبصورت ہو، مگر سفید ہو پھر میں بھی سب کے سامنے سر اٹھا کر چلوں گی۔ پھر میرے پاس بھی کوئی ایسی چیز ہوگی جسے میں فخریہ طور پر سب کو دکھا سکوں گی۔ میں ہر وقت سوچتی رہتی۔ اپنے فرضی شوہر کا ناک نقشہ ترتیب دیتی رہتی۔

یا اپنی خواہشوں کو مقدس نہ جانیئے
یا خواہشوں کے ساتھ ہی مر جانا چاہیے

شاعر نے یہ شعر شاید میرے جیسے لوگوں کے لیے کہا ہے۔ لیکن خواہش کرنا انسان کے اختیار میں تو نہیں ہوتا ناں جس طرح خواہش نہ کرنا آپ کے ہاتھ میں نہیں ہوتا۔ ساری بات تو دل کی ہوتی ہے۔

کیا آپ کو یقین آئے گا اگر میں کہوں کہ خدا نے میری یہ دعا قبول کر لی تھی۔ میری یہ خواہش پوری کر دی تھی۔ میں جانتی ہوں آپ لوگ حیران ہو رہے ہیں۔ آپ کو یقین نہیں آ رہا مگر یہ سچ تھا۔ میری آرزو واقعی ہی قبول ہو گئی تھی۔ اب آپ جاننا چاہتے ہوں گے کیسے۔ میں نے آپ کو بتایا تھا ناں کہ ہمارے خاندان میں بچوں کی شادیاں یا کم از کم ان کے رشتے بہت کم عمری میں ہی طے کر دیے جاتے ہیں۔ لیکن بی اے کرنے تک بھی میرا کوئی رشتہ نہیں آیا۔ نہ خاندان سے، نہ باہر سے عجیب بات تھی۔ ہمارے خاندان کے لیے کہ بیس سال کی ہونے تک میرے لیے کوئی رشتہ ہی نہیں آیا تھا۔ کسی کو میری چاہ، میری آرزو ہی نہیں تھی۔ کسی کو میری ضرورت ہی محسوس نہیں ہوئی۔ وجہ کیا تھی؟ کیا آپ کو دوبارہ یہ بات بتانے کی ضرورت ہے کہ وجہ کیا تھی؟ نہیں نا! سب کے لیے اگر یہ بات حیرانی اور افسوس کی تھی تو میرے لیے تو یہ حقیقت زہر میں بجھا ہوا خنجر تھی جو کسی نے بہت زور سے میرے سینے کے بیچوں بیچ گاڑ دیا تھا اور حیرت کی بات تو یہ تھی کہ اس خنجر کے گاڑے جانے کے بعد بھی میں زندہ تھی کیا آپ کو حیرت نہیں ہوئی کہ میں زندہ تھی؟ یہ ادراک کہ کسی کو آپ کے وجود کی ضرورت ہی نہیں ہے کیا خنجر جیسا نہیں ہوتا؟ آپ بتائیں ہوتا ہے نا؟"

میں جانتی تھی میں ماں باپ کے لیے بوجھ بنتی جا رہی ہوں۔ میں ان کی ناخوشی کا سبب تھی مگر میں ان کا مسئلہ تو حل نہیں کر سکتی تھی۔ میرے اختیار میں ہوتا تو میں کب کی شادی کر کے یہ گھر چھوڑ چکی ہوتی مگر یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آئی تھی اور مجھ میں دوسروں کو سمجھانے کی اہلیت نہیں تھی۔

جو واحد چیز میں کر سکتی تھی۔ وہ اپنے وجود کو بے ضرر بنانا تھا۔ اپنے وجود کو قابل قبول بنانا تھا اور وہ میں نے کیا، خاموشی پہلے ہی میرے وجود کا حصہ تھی۔ خدمت کو میں نے وجود کا دوسرا حصہ بنالیا۔ میں ہر وقت ہر کسی کی خدمت کرنے، ہر کسی کو خوش کرنے میں جتی رہتی آپ کو بتاؤں کیوں؟ ویسے کیا آپ خود سے اندازہ لگا سکتے ہیں؟

نہیں بات وہ نہیں تھی جو آپ سمجھ رہے ہیں۔ مجھے نیکیاں کمانے کا کوئی شوق نہیں تھا۔ میں تو بس دلوں میں تھوڑی سی گنجائش تھوڑی سی جگہ چاہتی تھی۔ پتا نہیں مجھے کیوں لگا کہ خدمت کر کے میں دل جیت سکتی ہوں۔ مگر خدمت دلوں کو جیت نہیں سکتی۔ بعض دلوں کو تو بالکل بھی نہیں۔ میں آپ کو کیا بتا رہی تھی اور کہاں پہنچ گئی ہوں ایسا ہی ہوتا ہے۔ میرے ساتھ ایسا ہی ہوتا ہے۔

ہاں تو میں آپ کو بتا رہی تھی کہ خدا نے میری خواہش پوری کر دی تھی۔ میرے والد میری شادی کے بارے میں بہت پریشان رہتے تھے۔ اور اس پریشانی کا اظہار انھوں نے اپنی بہن یعنی میری پھوپھو سے کیا۔ پتا نہیں، انھوں نے کس طرح انھیں اپنی پریشانی، اپنا مسئلہ بتایا تھا کہ اگلے ہی دن پھوپھو اپنے اکلوتے لائق فائق اور حسین وجمیل بیٹے کا رشتہ لے کر ہمارے گھر آ موجود ہوئیں۔ سکتہ اگر گھر والوں کو ہوا تھا تو ہکا بکا میں بھی رہ گئی تھی۔ میں نے خدا سے صرف خوبصورتی چاہی تھی اس نے تو جیسے خوبصورتی کو ہر نگینے سے مرصع کر کے میرے لیے بھیج دیا تھا۔

فاروق ایک بنک میں کام کرتا تھا۔ اس نے ایم اے اکنامکس کیا ہوا تھا۔ پورے خاندان میں وہ سب سے زیادہ خوبصورت اور قابل تھا۔ ابھی تک اس کی شادی نہیں ہوئی تھی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ خاندان میں شادی نہیں کرنا چاہتا تھا۔ وہ اپنی مرضی سے خاندان سے باہر کسی تعلیم یافتہ لڑکی سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ پھوپھو نے اب تک اسے آزادی دی ہوئی تھی کہ جب بھی اسے کوئی لڑکی پسند آئے۔ وہ انھیں بتا دے اور وہ وہیں اس کی شادی کروا دیں گی۔ مگر اب وہ پتا نہیں کیسے اس کا رشتہ میرے لیے لے کر آ گئی تھیں۔

میرے گھر والوں کو اس رشتہ پر اعتراض کیسے ہو سکتا تھا۔ انھیں لگا کر خدا نے ان پر بہت بڑا کرم کر دیا ہے۔ خاص طور پر مجھ پر فوری طور پر اس رشتہ کو قبول کر لیا گیا اور نہ صرف رشتہ قبول کر لیا گیا بلکہ صرف ایک ماہ بعد ہی میری شادی کی تاریخ بھی طے کر دی گئی۔ ہر انسان بوجھ کو جلد از جلد کندھوں سے اتار کر پھینک دینا چاہتا ہے۔ میرے ماں باپ نے بھی مجھے بوجھ سمجھتے ہوئے میری قسمت کا فیصلہ بہت جلد کر دیا تھا۔ مگر میں اس جلد بازی سے ناخوش نہیں تھی، بلکہ بہت خوش تھی اور فاروق ہاں اس کے بارے میں بعد میں پتا چلا کہ پھوپھو اسے بتائے اور اس سے پوچھے بغیر ہی اس کا رشتہ میرے لیے لے آئی تھیں۔ پھر جب اسے پتا چلا تو اس نے ایک ہنگامہ کھڑا کر دیا۔ وہ گھر سے ہی چلا گیا تھا۔ مجھے جب یہ پتا چلا تو میری جان جیسے سولی پر اٹک گئی تھی۔ مجھے ہر وقت یوں لگتا جیسے ابھی پھوپھو آئیں گی اور وہ ننھی سی انگوٹھی میری انگلی سے اتار کر لے جائیں گی جو انھوں نے نسبت طے ہونے پر پہنائی تھی اور منگنی ٹوٹنے کی صورت میں میں ایک تماشا بن کر رہ جاتی۔

آپ کو پتا ہے نا ''تماشا'' کیا ہوتا ہے۔

دن گزرتے جا رہے تھے۔ دونوں گھرانوں میں شادیوں کی تیاری اور دولہا کی تلاش ساتھ ساتھ جاری تھی اور پھر فاروق بالآخر خود ہی گھر واپس آ گیا تھا۔ وجہ پھوپھا کی ضد تھی۔ وہ اس کے گھر سے چلے جانے پر اتنا ناراض ہوئے تھے کہ انھوں نے اس کے سارے دوستوں میں اعلان کر دیا

تھا کہ وہ اگر شادی کے دن تک گھر نہ آیا تو وہ پوری بارات کے ساتھ دلہن کے گھر کے سامنے خود کو گولی مار لیں گے۔

فاروق جانتا تھا۔ پھوپھا اپنی بات کے پکے تھے۔ وہ شادی والے دن سے پہلے ہی واپس آ گیا تھا۔ میں اس وقت بہت خود غرض ہو گئی تھی۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ وہ مجھے پسند نہیں کرتا۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ میں کسی بھی لحاظ سے اس کے برابر نہیں ہوں پھر بھی ہاں پھر بھی میں اس کو پانا چاہتی تھی۔ رات کو ہمیشہ چاند چاہیے ہوتا ہے۔ میں بھی رات تھی اور وہ وہ میرا چاند تھا پھر میں اسے کیسے چھوڑ دیتی۔ اسے پانے کی خواہش کیوں نہ کرتی۔



شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی۔ فاروق پھوپھو کا اکلوتا بیٹا تھا پھوپھو کو تو اپنے ارمان پورے کرنے ہی تھے۔ لیکن ہمارے گھر میں بھی یہ آخری شادی تھی۔ اس لیے ہماری طرف سے بھی بڑی دھوم دھام کا انتظام کیا گیا تھا۔ لوگ کہہ رہے تھے میں شادی والے دن بہت خوبصورت لگ رہی تھی۔ لوگ بہت کچھ ایسے ہی کہہ دیتے ہیں۔ خوبصورت لگنا اور بات ہوتی ہے، خوبصورت ہونا اور بات ہوتی ہے۔ فاروق کو میں خوبصورت اس لیے نہیں لگی تھی کیونکہ وہ جانتا تھا میں خوبصورت نہیں ہوں۔

میرا اصل چہرہ اصل رنگت اس کی نظروں سے کبھی اوجھل ہوئی ہی نہیں۔

"سب جانتے ہیں، یہ شادی میری مرضی سے نہیں ہوئی، تم بھی اس سے بے خبر نہیں ہو۔ مومنہ! کیا تم کسی بھی لحاظ سے میرے قابل ہو۔ کیا تم میرے ساتھ چلتی پھرتی اچھی لگو گی۔ مجھے تو کالا لباس تک پسند نہیں ہے۔ میں کالی بیوی کے ساتھ کیسے رہوں گا۔ تمھیں قبول ہو یا نہ ہو۔ میں دوسری شادی ضرور کروں گا۔ تم چاہو گی تو تمھیں طلاق نہیں دوں گا اور علیحدہ ہونا چاہو گی تو طلاق دے دوں گا۔"

اس نے پہلی ہی رات مجھے یاد دلا دیا تھا کہ میں کون ہوں اور بھی بہت سے جملے تھے جو اس نے کہے تھے مگر وہ میں بھول چکی ہوں؟ نہیں بھولی نہیں ہوں مگر بھلا دینا چاہتی ہوں۔ اس طرح تکلیف ذرا کم ہوتی ہے۔

آپ یہ جان کر حیران ہوں گے کہ فاروق کی تلخی اور بے اعتنائی بھی اس سے میری محبت کو کم نہیں کر سکی تھی۔ اس تذلیل کے باوجود میں خوش تھی کہ وہ میرا ہے صرف میرا ہے۔ اس کے الفاظ نے میرے دل میں کسی خدشے کو نہیں جگایا تھا۔ میں نے سوچا تھا، میں اس شخص کی اتنی خدمت کروں گی۔ اس سے اتنی محبت کروں گی کہ وہ میرا ہو جائے گا۔ میں اس کا دل جیت لوں گی۔

مگر بس دل ہی تو جیتا نہیں جاتا۔

میں نے اپنے چہرے پر بہت سے ماسک چڑھا لیے تھے۔ ایک ماسک گھر والوں کے لیے، ایک ماسک سسرال والوں کے لیے، ایک ماسک فاروق کے لیے اور ایک ماسک اپنے لیے بعض دفعہ اصلی چہرہ چھپانا بہت ضروری ہو جاتا ہے۔

فاروق کا میرے ساتھ سلوک کیسا تھا؟ میں کسی کو نہیں بتاتی تھی۔ اس کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔ میں سب کے سامنے یہی ظاہر کرتی کہ میں بہت خوش ہوں، بہت مطمئن ہوں اور آپ کو سچ بتاؤں، میں خوش تھی بھی۔

وہ اس وقت تک میرے حصے میں آنے والی سب سے قیمتی چیز تھا پھر میں اسے پا کر خوش کیوں نہ ہوتی۔

وہ معمولی معمولی باتوں پر مجھ سے الجھ پڑتا۔ مجھے میری رنگت، میری شکل کے طعنے دیتا۔ بعض دفعہ چیزیں اٹھا کر پھینک دیتا۔ بعض دفعہ بلند آواز سے مجھ پر چیختا چلاتا اور کبھی بہت زیادہ غصہ آتا تو مجھے خرچ دینا بند کر دیتا۔

مجھے یہ سب اس کی ادائیں لگتی تھیں اس کے نخرے نظر آتے تھے مجھے یہ سب برا نہیں لگتا تھا۔ اپنی عزت نفس کا گلا میں نے کچھ اس حد تک گھونٹ دیا تھا کہ اس چیز نے مجھے دوبارہ تنگ نہیں کیا۔ میں اس کے آگے پیچھے پھرتی رہتی۔ اس کا معمولی سے معمولی کام اپنے ہاتھوں سے کرتی۔ اس کی گالیاں کھا کر بھی مسکراتی رہتی اس کے چیخنے چلانے پر بھی خاموش رہتی۔

وہ ضرورت کے وقت روپے نہ دیتا تو میں دوبارہ کبھی نہ مانگتی۔

وہ کہیں جانے سے منع کر دیتا تو میں کسی صورت بھی وہاں نہ جاتی۔ وہ نہیں چاہتا تھا۔ لوگ مجھے اس کی بیوی کی حیثیت سے جانیں۔ وہ مجھے چھپا دینا چاہتا تھا اور میں نے اس کام میں اس کی ہر ممکن مدد کی۔

بعض دفعہ تو مجھے اس پر ترس آیا کرتا تھا۔ آپ کو پتا ہے نا ترس صرف خوبصورت لوگوں پر ہی آتا ہے، ہاں تو میں آپ کو بتا رہی تھی کہ مجھے اس پر ترس آنے لگتا۔ میں سوچتی کہ یہ شخص کتنا عظیم ہے جو مجھے ناپسند کرنے کے باوجود مجھے ساتھ رکھے ہوئے ہے۔ اپنے گھر میں پناہ دیے ہوئے ہے۔ میرے اخراجات اٹھائے ہوئے ہے ورنہ کون ہے جو کسی ناپسندیدہ انسان کے لیے اتنا کچھ کرتا ہے۔

بعض دفعہ مجھے اس پر اتنا پیار آتا کہ میرا دل چاہتا میں اسے سجدہ کروں۔ آپ مجھے پاگل سمجھیں یا کفر کا فتویٰ لگائیں مگر سچ تو یہ ہے کہ مجھے فاروق کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آتا تھا۔

اس پر ہر رنگ سجتا تھا۔ بعض دفعہ وہ صبح آفس جانے کے لیے تیار ہو رہا ہوتا تو میں اسے دیکھتی ہی رہ جاتی۔ میری نظر اس پر سے ہٹتی ہی نہیں تھی، پھر میں زبردستی اپنی نظریں اس کے چہرے سے ہٹاتی کیونکہ مجھے ڈر لگنے لگتا تھا کہ کہیں اسے میری نظر ہی نہ لگ جائے۔ پھر مجھے اپنے وجود پر رشک آنے لگتا کہ وہ میرا ہے، مومنہ عادل کا ہے۔ نہیں مجھے مومنہ فاروق کہنا چاہیے۔

دو سال اسی طرح گزر گئے تھے۔ میری کوئی خدمت، کوئی تابعداری اسے پسند نہیں آئی تھی۔ وہ پہلے بھی ناراض تھا۔ اب بھی اکھڑا ہوا تھا۔ پہلے بھی میں اس کے لیے بے وقعت تھی۔ اب بھی میری ذات اس کے لیے بے مصرف تھی۔

✡......✪......✡

پھر ان ہی دنوں میرے ہاں سنبل پیدا ہوئی تھی۔ اس کی پیدائش سے پہلے میں نے بہت سے خواب دیکھے تھے کہ شاید میری اولاد کی رنگت سفید ہو گی اور صرف خواب نہیں میں نے بہت سی دعائیں بھی مانگی تھیں۔ مجھے بیٹا چاہیے تھا نہ بیٹی۔ مجھے تو جو بھی چاہیے تھا۔ خوبصورت چاہیے تھا۔ سفید رنگت والا چاہیے تھا۔ اپنے باپ کی طرح آپ شاید سوچ رہے ہوں گے کہ میں اس لیے اپنی اولاد کو خوبصورت چاہتی تھی تاکہ اسے میرے جیسے حالات کا سامنا کرنا نہ پڑے اسے دھتکارا جائے، اس سے نفرت کی جائے نہ اس کا مذاق اڑایا جائے۔

آپ یہی سوچ رہے ہیں نا؟

میں جانتی ہوں۔آپ یہی سوچ رہے ہیں۔لیکن سچ تو یہ ہے کہ میں اپنی اولاد کو کسی اور وجہ سے خوبصورت اور سفید چاہتی تھی۔فاروق کو خوبصورتی پسند تھی۔میں نے سوچا اگر اولاد اس جیسی خوبصورت ہوگی تو وہ اس سے خود بخود محبت کرنے لگے گا اور پھر میرے ساتھ بھی اس کا سلوک بدل جائے گا، یہ سب سوچنے میں میرا قصور نہیں تھا لوگ یہی کہتے ہیں کہ اولاد تو اچھے اچھوں کے دلوں کو بدل دیتی ہے اور خوبصورت اولاد تو باپ کی جان ہوتی ہے میں نے سوچا تھا۔

فاروق تو پہلے ہی خوبصورتی کا دیوانہ ہے جب خود اپنی اولاد خوبصورت ہوگی تو وہ کیوں نہیں اس کی محبت میں گرفتار ہوگا۔اولاد کے لاڈ اٹھائے گا۔

مگر جو میں نے سوچا، وہ نہیں ہوا۔

ہمیشہ ایسا ہی ہوتا ہے۔میں جو سوچتی ہوں۔ہوتا ہمیشہ اس کے برعکس ہے۔

سنبل بالکل میرے جیسی تھی، وہی سانولی رنگت، وہی معمولی سی شکل پہلی بار تو میرا دل ہی نہیں چاہا کہ میں اس پر نظر بھی ڈالوں۔وہ مجھے اتنی عام سی لگی تھی کہ میرے دل میں اس کے لیے ممتا کا کوئی جذبہ نہیں جاگا۔

آخر اس نے اپنی شکل اور رنگت کی وجہ سے میرے بہت سے پلان تباہ کردیے تھے۔میں یہ بازی بھی ہار گئی تھی۔اسے دیکھ کر میرا دل چاہتا تھا۔میں خوب زور زور سے روؤں۔آخر میرا قصور کیا تھا کہ خدا مجھے اس طرح کے "تحفے" دے رہا تھا۔میری طرح اسے بھی دو نمبر کا انسان بن کر ساری زندگی گزارنی تھی۔سمجھوتوں اور پچھتاووں کی زندگی۔

سنبل کی پیدائش پر کسی بھی طرف سے جوش وخروش اور خوشی کا اظہار نہیں کیا گیا تھا۔پھوپھو اور پھوپھا بھی بیٹی کی پیدائش پر زیادہ خوش نہیں تھے مگر انھوں نے کسی ناراضگی کا اظہار بھی نہیں کیا۔فاروق کا ردعمل بھی بہت نارمل تھا۔سنبل اس کے رویے اور زندگی میں کوئی تبدیلی لے کر نہیں آئی تھی اور میں ہاں میرے لیے بھی اس کی آمد کوئی بہت بڑی خوشی ثابت نہیں ہوئی تھی۔سب کچھ بہت عام اور معمول کے انداز میں ہونے لگا تھا۔فاروق کبھی کبھار سنبل کو پیار کرتا۔اسے اٹھاتا تو مجھے اپنا وجود دنیا کا قیمتی ترین وجود لگتا۔بے قدری اور بے وقعتی کا کوئی احساس باقی نہیں رہتا، مگر اس کا پیار بہت عارضی سا ہوتا تھا۔

سنبل ایک سال کی تھی جب پھوپھا کا انتقال ہوگیا تھا اور ان کی موت کے تین ماہ بعد فاروق نے دوسری شادی کرلی تھی۔خاندان میں ایک ہنگامہ برپا ہوگیا تھا۔ہمارے خاندان میں پہلی بار کسی نے ایسا کیا تھا، میرے بھائی فاروق کو مرنے مارنے پر تل گئے تھے اور میرے ابو نے پھوپھو سے سارے تعلقات ختم کرلیے تھے۔حالانکہ اس میں ان کا قصور نہیں تھا۔

فاروق نے انھیں کچھ بھی بتانے یا ان سے اجازت لینے کی کوشش نہیں کی تھی۔بالکل اسی طرح جیسے میرا رشتہ مانگتے وقت پھوپھو نے کیا تھا۔

ہاں شادی سے ایک ہفتہ پہلے اس نے مجھے بتادیا تھا کہ وہ شادی کررہا ہے۔آپ سوچ رہے ہوں گے، میں بہت روئی گڑگڑائی ہوں گی، میں نے بہت منت سماجت کی ہوگی کہ وہ ایسا نہ کرے یا مجھے بہت بڑا صدمہ پہنچا ہوگا۔

نہیں، آپ غلط سوچ رہے ہیں ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ میں جانتی تھی اسے دوسری شادی کرنی ہی ہے۔ میں کسی طور پر بھی اسے روک نہیں سکتی۔ پھوپھا کے مرنے کے دوسرے دن ہی اس نے مجھے شادی کی رات کو اپنی کہی گئی بات یاد دلا دی تھی اور میں تب سے انتظار میں تھی کہ وہ کب شادی کرتا ہے۔

میں نے کسی کو نہیں بتایا تھا کہ ایک ہفتہ بعد فاروق شادی کرلے گا۔

آپ سوچ رہے ہوں گے، میں نے کتنی بڑی قربانی دی تھی۔

ہے نا یہی سوچ رہے ہیں نا آپ؟

نہیں میں نے قربانی نہیں دی تھی، مجھ میں تو اتنی ہمت ہی نہیں تھی کہ میں کسی کو یہ سب بتا سکتی۔ کیا آپ کو پتا ہے، کالی رنگت والے لوگ بہت بزدل، بہت کم ہمت ہوتے ہیں؟ پھر ویسے بھی سب کو بتانے سے کیا ہوتا تھا شادی تو فاروق نے ہر صورت کرنی ہی تھی۔ اگر میں، سنبل اور پھوپھو اس کو روک نہیں پائے تھے۔ اس کے پاؤں کی زنجیر نہیں بن سکے تھے تو کیا کوئی اور روک لیتا۔

میرے گھر والے مجھے واپس لے جانا چاہتے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ فاروق مجھے طلاق دے دے یا پھر اس عورت کو...... خاندان میں ہر کوئی یہی چاہتا تھا حتیٰ کہ میری پھوپھو بھی۔

ہاں اگر کوئی نہیں چاہتا تھا تو میں نہیں چاہتی تھی۔ میں پچھلے تین سالوں سے مور کے پیر بن کر جی رہی تھی اور میں اس زندگی سے خوش تھی آخر میں مور کا حصہ تو تھی۔ گھر چھوڑ کر جانا، طلاق لینا بہت آسان ہوتا ہے، مگر ماں باپ اور بھائیوں کے گھر رہنا اور مطلقہ کی زندگی گزارنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ اپنے گھر والوں کے دباؤ اور ان کی ناراضگی کے باوجود میں گھر چھوڑ کر نہیں گئی۔ فاروق اگر کسی کو طلاق دیتا تو مجھے ہی دیتا اور یہ بات میں جانتی تھی اور میں نہیں چاہتی تھی کہ وہ اس سلسلے میں سوچنا شروع کردے۔ میں نے صبر کرلیا۔

آپ کو پتا ہے "صبر" کیا ہوتا ہے۔

✡......✪......✡

میں نے جب پہلی بار گل افشاں کو دیکھا تھا تو میں بس دیکھتی ہی رہ گئی تھی۔ بہت دیر تک میں اس کے چہرے سے نظریں نہیں ہٹا پائی تھی۔ مجھے لگتا تھا میں نے حسن کو مکمل حالت میں دیکھ لیا ہے۔ پتا نہیں فاروق کو اس سے کتنی محبت ہوگی مگر کیا آپ کو یقین آئے گا کہ میں بھی پہلی ہی نظر میں اس کے عشق میں گرفتار ہوگئی تھی۔ وہ فاروق کے کسی دوست کی بہن تھی۔ فاروق نے اپنے دوست سے اپنی دوسری شادی کا ذکر کیا تھا اور اس دوست نے اپنی بہن کا رشتہ دے دیا تھا کیونکہ وہ بہت امیر نہیں تھا اور گل افشاں کی پانچ بہنیں اور بھی تھیں جن کے لیے رشتے کی تلاش میں اسے بڑی دشواری ہو رہی تھی۔

فاروق شادی کے ایک ماہ بعد ہی اسے پھوپھو کے احتجاج کے باوجود گھر لے آیا تھا۔ پھوپھو نے اس سے بات کرنا تو درکنار اس کے سلام کا جواب دینا بھی پسند نہیں کیا تھا۔ فاروق نے گل افشاں کو مجھ سے نہیں ملوایا تھا میں نے اسے دور سے ہی دیکھا تھا حالانکہ میں ملنا چاہتی تھی مگر پتا نہیں

فاروق کیوں خائف تھا۔

گل افشاں کو دیکھ کر میرے وجود میں کوئی ہلچل مچی تھی نہ کوئی طوفان اٹھا تھا۔ آخر اس نے میرا کیا لیا تھا؟

وہ پہلی رات تھی جب گھر میں رہتے ہوئے فاروق میرے کمرے میں نہیں آیا۔ پتا نہیں کیا بات تھی مگر اس رات سنبل بھی میری طرح جاگتی رہی تھی۔ اس سے بھی عجیب بات یہ ہے کہ میری طرح وہ بھی خاموش تھی...... اس کی آنکھوں میں بھی آنسو نہیں تھے۔ میں ساری رات اسے گود میں لیے سوچتی رہی تھی کہ اب میں کون سا طریقہ کون سا حربہ استعمال کروں کہ یہ چھت میرے سر پر اور فاروق کا نام میرے نام کے ساتھ رہے۔ آپ جان ہی گئے ہوں گے کہ میں نے کیا طریقہ اختیار کرنے کا فیصلہ کیا تھا۔

خدمت کا...... پہلے میں پھوپھو اور فاروق کی خدمت کرتی تھی۔ اب میں نے گل افشاں کو بھی اپنے آقاؤں میں شامل کرنے کا فیصلہ کر لیا تھا۔

اگلے دن صبح میں نئے جذبے سے اٹھی تھی۔ میں نے ان دونوں کے اٹھنے سے پہلے ہی دونوں کے لیے بہت زبردست قسم کا ناشتہ بنایا تھا اور فاروق کے آفس جانے کے لیے تیار ہوتے ہوتے میں نے ناشتہ ڈائننگ ٹیبل پر لگا دیا تھا۔ گل افشاں جب اپنے کمرے سے نکل کر کچن میں آئی تو میں نے اسے ناشتے کی تیاری کے بارے میں بتا دیا تھا۔

''نہیں...... میں اور فاروق صرف چائے پئیں گے۔''

بڑی عجیب سی نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے اس نے کہا تھا۔ پھر وہ چائے بنانے لگی۔ میں نے اس سے کہا کہ چائے میں بنا چکی ہوں وہ میری بات پر کچھ جھنجلا کر بولی۔

''فاروق صرف میرے ہاتھ کی چائے پیتے ہیں۔''

میں نے اپنی شرمندگی اور خجالت مٹانے کے لیے کہا۔

''چائے تو وہ میرے اور پھوپھو کے ہاتھ کی بھی پی لیتے ہیں۔''

اس نے بہت سرد نظروں سے مجھے دیکھتے ہوئے کہا۔

''پینے اور پسند کرنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔''

مجھے یوں لگا جیسے میرے چہرے کی سیاہی میں کچھ اور اضافہ ہو گیا تھا۔

مگر میں کچن سے باہر نہیں آئی، بلکہ مختلف چیزیں اٹھا اٹھا کر اس کے پاس رکھتی گئی، کپ، ٹی پاٹ، شوگر پاٹ، چمچے، ٹرے، چھلنی میں نے سارا سامان اس کے پاس لا کر رکھ دیا تھا۔ وہ بے تاثر چہرے کے ساتھ میری حرکات کو دیکھتی رہی پھر وہ چائے بنا کر اسی سامان میں لے گئی اور میں اتنی سی بات پر بے تحاشا خوش ہوئی۔

میں ہر روز صبح تھوڑا بہت سنگھار ضرور کیا کرتی تھی۔ اس دن بھی بے خیالی میں سنگھار میز کے سامنے آ گئی اور جب میں نے لپ اسٹک نکال کر اسے ہونٹوں پر لگانا تو میرا دل ہی نہیں چاہا۔

’’میں یہ ساری چیزیں بھی اپنے چہرے پر تھوپ لوں۔ کیا تب بھی میں گل افشاں جیسی خوبصورت لگ سکتی ہوں نہیں نا تو پھر ان سب چیزوں کی کیا ضرورت ہے؟‘‘

میں نے اپنے دل میں سوچا تھا اور پھر میں نے ڈریسنگ ٹیبل پر پڑا ہوا کاسمیٹکس کا سارا سامان درازوں میں مقفل کر دیا تھا۔ زندگی میں دوبارہ کبھی میں نے ان چیزوں کو خریدا نہ انھیں استعمال کیا۔

☆......✪......☆

پھر میں فاروق اور گل افشاں دنوں کے لیے سراپا خدمت بن گئی تھی۔ میں نے گل افشاں کو کبھی کسی کام کو ہاتھ لگانے نہیں دیا نہ ہی میں نے اسے کبھی کچن کا کام کرنے دیا۔ میں سارا کام خود کرتی تھی حتیٰ کہ اس کے بہت سے ذاتی کام بھی تیل لگانے سے لے کر کپڑے دھونے تک۔

جواباً وہ کبھی کبھار مجھ سے ہنس کر بات کر لیا کرتی تھی اور بعض دفعہ سنبھل کو بھی پیار سے چمکار لیا کرتی اور میں اتنی سی عنایت پر ہی نہال ہو جایا کرتی تھی۔

میرا خیال تھا کہ گل افشاں کی اتنی خدمت فاروق کے دل کو کچھ موم کر دے گی مگر ایسا نہیں ہوا پتا نہیں کیا بات تھی میرے ساتھ اس کا رویہ بد سے بدتر ہی ہوتا گیا تھا۔

میں نے اس سے کبھی کوئی مطالبہ کیا تھا نہ کسی حق تلفی پر ناراضگی کا اظہار کیا تھا مگر وہ پھر بھی خوش نہیں تھا۔ وہ مستقل طور پر گل افشاں کے کمرے میں ہی رہتا تھا اور میں نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا تھا۔

مگر پھوپھو نے اعتراض کیا تھا۔ انھوں نے فاروق سے کہا تھا کہ اسے دونوں بیویوں سے ایک جیسا سلوک کرنا چاہیے۔ مگر اس بات پر گل افشاں بہت بگڑ گئی تھی، اس نے نہ صرف گھر میں خوب ہنگامہ کیا تھا بلکہ کئی ماہ تک اس نے مجھ سے بات تک نہیں کی۔ فاروق پر بھی پھوپھو کی نصیحتوں اور ہدایتوں نے کوئی اثر نہیں کیا تھا۔ وہ اب بھی میرے کمرے میں بہت کم ہی آتا تھا۔

سنبل سے بھی پہلے وہ جو تھوڑا بہت لاڈ پیار کر لیتا تھا۔ وہ ختم ہو گیا تھا۔ کئی کئی ہفتے وہ سنبل کا نام تک نہ لیتا پھوپھو زبردستی کسی دن اسے اس کے پاس بٹھا آتیں پھر وہ چند منٹ سنبل کے ساتھ کھیلتا اور پھر اسے واپس پھوپھو کو دے جاتا۔

فاروق اور گل افشاں کی زندگی بہت اچھی گزر رہی تھی۔ فاروق اس کا شیدا تھا۔ وہ جو کہتی وہ وہی کرتا۔ وہ جس چیز کی خواہش کرتی، وہ چیز لانا فاروق پر فرض ہو جاتا تھا۔ وہ ہر شام اسے کہیں نہ کہیں گھمانے لے جاتا پہلے اس کے پاس ایک پرانی سی گاڑی تھی لیکن گل افشاں کے آتے ہی اس نے نئی گاڑی لے لی تھی۔

اس نے کبھی گل افشاں پر کوئی پابندی عائد نہیں کی تھی۔ وہ کب کہاں جاتی ہے کتنا خرچ کرتی ہے، کیسا لباس پہنتی ہے باہر جاتے ہوئے پردہ کرتی ہے یا نہیں۔ یہ سوال کبھی فاروق نے گل افشاں سے نہیں کیے تھے۔ میں نے اپنے پورے وجود کو اس کی مرضی اور احکام کے مطابق ڈھال لیا تھا مگر وہ پھر بھی خوش نہیں ہوا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو مکمل طور پر گل افشاں کی پسند اور خواہش کے مطابق ڈھال لیا تھا اور گل افشاں بہت خوش تھی۔

اور میں؟ میرے لیے تو بس یہی کافی تھا کہ میں اس گھر میں موجود ہوں۔ میرے نام کے ساتھ فاروق کا نام جڑا ہوا ہے۔ مجھے اس سے زیادہ کسی اور چیز کی خواہش ہی نہیں تھی۔

کیا آپ کو میری بات پر یقین آ رہا ہے کہ مجھے کسی اور چیز کی خواہش ہی نہیں رہی تھی؟

وقت اسی طرح گزرتا گیا تھا۔ ایک سال کے بعد میرے ہاں ایک اور بیٹی پیدا ہوئی تھی۔ سنبل ہی کی طرح سانولی اور عام شکل و صورت والی۔ میرے کندھے اور جھک گئے تھے بوجھ اور بڑھ گیا تھا۔ دو بیٹیاں، دونوں سانولی، دونوں عام شکلوں والی مومنہ عادل والی کہانی دوبارہ پھر دہرائی

جائے گی۔ وہی نفرت، حقارت، بے قدری، بے وقعتی، عورت ہونا بہت مشکل کام ہے اور پھر کالی عورت ہونا تو۔

ملیحہ کو دیکھ کر میں بہت روئی تھی۔ مگر رونے سے کیا ہوتا ہے۔ آنسو دل کو موم کرتے ہیں نہ زمین کو سیراب یہ وہ پانی ہوتا ہے جو آنکھ سے بہتا ہے اور وجود کو گھلا دیتا ہے۔ پھر ایسا بار بار کرتا ہے۔ یہاں تک کہ ذات رہتی ہے نہ وجود۔

آپ حیران ہو رہے ہیں نا کہ میں فلاسفی کیسے بولنے لگی ہوں جب آپ دنیا کو سمجھ جاتے ہیں۔ مگر اپنے وجود کو سمجھ نہیں پاتے تو پھر آپ فلسفی بن جاتے ہیں مگر میں فلسفی نہیں ہوں کیونکہ میں دنیا کو کبھی بھی سمجھ نہیں پائی۔

☆......✪......☆

شادی کے دو سال بعد گل افشاں کے ہاں بیٹا ہوا تھا۔ بالکل اسی کی طرح سفید اور تیکھے نقوش والا۔ آپ کو پتا ہے ناں خدا جب نوازنے پر آتا ہے تو بہت کچھ دیتا ہے۔ فاروق تو جیسے خوشی سے پاگل ہو گیا تھا اس نے منوں کے حساب سے مٹھائی بنوائی تھی۔ بڑی دھوم دھام سے اس نے اپنے بیٹے کا عقیقہ کیا تھا۔

اس نے پورے خاندان کو بلایا تھا اور پورا خاندان ہی آیا تھا۔ وہ بھی جو مجھ سے ہمدردی کرتے رہتے تھے۔ وہ بھی جو گل افشاں کو ناپسند کرتے تھے۔ حتیٰ کہ میرے بہن بھائی بھی آئے تھے۔ عجیب بات ہے ناں مگر آپ کو تو پتا ہی ہے۔ دنیا میں بہت ہی عجیب باتیں ہوتی ہیں۔ فاروق نے گل افشاں کو تحفے میں ہیروں کا سیٹ دیا تھا اور پورے خاندان کے سامنے گل افشاں کے چہرے کی چمک مجھے اس وقت ان ہیروں سے زیادہ لگ رہی تھی۔

پتا نہیں پھوپھو کے دل میں کیا خیال آیا اور انھوں نے فاروق سے کہا کہ اسے مجھے بھی کچھ دینا چاہیے۔ فاروق اور گل افشاں کے چہرے پر ناگواری کی ایک لہر ابھری تھی پھر اس نے جیب سے پانچ سو روپے نکال کر میری طرف بڑھا دیے۔

''تم کوئی سوٹ لے لینا۔''

اس نے کہا تھا، میں نے وہ روپے لے لیے۔ میں اس پر بھی بہت خوش تھی۔ گل افشاں حسن تھی۔ حسن کو سنگھار چاہیے میں بدصورت تھی میرے لیے یہی کافی تھا کہ میرا وجود کسی اچھے کپڑے سے ڈھک دیا جائے۔ مجھے کسی بات پر اعتراض نہیں تھا۔

کیا آپ کو پتہ ہے ''اعتراض'' کیا ہوتا ہے؟

سنبل چار سال کی ہونے والی تھی میں اسے اب اسکول میں داخل کروانا چاہتی تھی۔ کسی بہت اچھے اسکول میں جب میں نے فاروق سے اسے اسکول بھیجنے کی بات کی تو اس نے کہا کہ وہ چند دنوں تک دو چار اچھے اسکولوں کے فارمز وغیرہ لا کر دیکھے گا پھر طے کرے گا کہ سنبل کو کہاں داخل کروانا چاہیے میں مطمئن ہو گئی مگر دوسرے دن اس نے بڑے اکھڑے ہوئے انداز میں کہا کہ میں سنبل کو محلے کے کسی اسکول میں داخل کروا دوں کیونکہ وہ کوئی مہنگا اسکول افورڈ نہیں کر سکتا۔''

مجھے دھچکا لگا تھا وہ برانچ مینیجر تھا اور وہ اسے اچھے اسکول میں بھیجنا افورڈ نہیں کر سکتا تھا۔ وہ مجھے ہر ماہ صرف ایک ہزار روپے دیتا تھا۔ وہ گل

افشاں کو کتنے روپے دیتا تھا میں نہیں جانتی مگر وہ اسے ایک ہزار تو نہیں دیتا تھا وہ اسے وقتاً فوقتاً زیورات بنوا کر دیتا رہتا تھا وہ ہفتے میں ایک دوبار شاپنگ پر بھی ضرور جاتی اور جب آتی تو سامان سے لدی پھندی ہوئی۔ پھر بھی اس کے پاس اپنی بیٹی کے لیے فالتو روپے نہیں تھے۔

پہلی دفعہ میرے دل میں ملال پیدا ہوا اگر یہ بیٹیاں نہ ہوتیں بیٹے ہوتے تو کیا پھر بھی وہ یہی کہتا اگر یہ مغیث کی طرح خوبصورت ہوتیں تو کیا پھر بھی وہ یہی کہتا، میں دو دن تک یہی سوچ کر دل گیر ہوتی رہی۔ پھر میں نے سنبل کو گھر کے پاس ایک اسکول میں داخل کروا دیا تھا۔ اس اسکول کی فیس دو سو روپے تھی اور اسے اسکول میں داخل کرواتے ہی میرے اخراجات بڑھ گئے تھے۔ میں نے ایک دن فاروق سے کہا کہ وہ مجھے تھوڑے زیادہ روپے دیا کرے کیونکہ ایک ہزار روپوں سے میرا گزارا نہیں ہوتا مگر وہ میرے مطالبے پر یک دم بگڑ گیا تھا۔

''کیوں گزارہ نہیں ہوتا؟ تم اتنے روپے کس چیز پر خرچ کرتی ہو جبکہ سب کچھ تو گھر میں میں لا کر دیتا ہوں۔ اپنی عیاشیاں کم کرو گی تو یہ روپے بہت کافی ہوں گے اور میرے پاس کوئی حرام کے روپے نہیں ہیں کہ تم منہ پھاڑ کر مانگو اور فوراً نکال کر دے دوں۔''

اس کا لہجہ اتنا تلخ اور آواز اتنی بلند تھی کہ میں چپ رہ گئی تھی۔ پھر میں نے اس سے دوبارہ رقم بڑھانے کا مطالبہ نہیں کیا۔ میں محلے کے چھوٹے چھوٹے بچوں کو ٹیوشن پڑھانے لگی تھی۔ شروع میں وہ اس بات پر بھی بہت ناراض ہوا مگر پھر گل افشاں نے پتا نہیں اسے کیا سمجھایا تھا مگر یہ ہوا کہ اس نے مجھے اجازت دے دی۔ پھر ٹیوشن والے بچوں کی تعداد بڑھتی ہی گئی۔ مگر میں خوش نہیں تھی۔

کیا آپ کو پتا ہے، رزق حلال کمانے کے باوجود میں ''خوش'' کیوں نہیں تھی؟

☆......✪......☆

اگلے سال میرے ہاں بیٹا پیدا ہوا تھا۔ ایک بار پھر سانولی رنگت اور عام شکل والا بیٹا مگر اس بار میں بہت خوش تھی۔ میرے پاؤں جیسے زمین پر نہیں ٹک رہے تھے۔ مجھے لگ رہا تھا اللہ نے مجھے بیٹا نہیں اپنی پوری کائنات اٹھا کر دے دی تھی۔ میرا خیال تھا فاروق اب تو بہت خوش ہو گا مگر آپ کو پتا ہے وہ خوش نہیں ہوا تھا۔ اس کا ردعمل ویسا ہی تھا جیسے سنبل اور ملیحہ کی پیدائش پر تھا اس نے حذیفہ کی پیدائش پر مجھ سے کہا تھا کہ اب وہ اور بچے نہیں چاہتا۔ تین بچے کافی ہیں۔ میں اس کا بوجھ اور ذمہ داریاں نہ بڑھاؤں۔

حذیفہ کی پیدائش کے چند ماہ بعد گل افشاں کے ہاں بھی ایک اور بیٹا ہوا تھا۔ مغیث کی طرح ایاز کی پیدائش پر بھی فاروق نے بہت دھوم دھام سے عقیقہ کیا تھا۔ اس بار اس نے گل افشاں کو سونے کی بارہ چوڑیاں بنوا کر دی تھیں۔

اسے سنبل، ملیحہ اور حذیفہ کی پروا تک نہیں تھی مگر مغیث اور ایاز پر وہ جان چھڑکتا تھا۔ جیسے کھلونے وہ انھیں خرید کر دیتا تھا جیسے کپڑے وہ ان کے لیے لے کر آتا تھا۔ ویسے کپڑے اور کھلونے میرے بچوں کے پاس نہیں تھے۔ سنبل بڑی ہو رہی تھی۔ بعض دفعہ مغیث یا ایاز کا کوئی کھلونا دیکھ کر مچل جاتی مگر میں اسے کوئی سستا کھلونا دلوا کر بہلا دیتی۔

دو سال بعد میں نے اپنا زیور بیچ کر بینک میں رقم جمع کروا دی تھی اور سنبل کو ایک بہتر اسکول میں داخل کروا دیا تھا۔ گل افشاں نے بھی مغیث کو شہر کی سب سے مہنگی مانٹیسوری میں داخل کروا دیا تھا۔ مجھے کوئی شکوہ نہیں ہوا۔

شکوہ کرنے سے کیا ہوتا ہے؟

☆......✪......☆

ان ہی دونوں پھوپھو کی ڈیتھ ہو گئی۔ پھوپھو کی وفات کے بعد فاروق نے چھت پر ایک کمرہ کچن، باتھ روم اور اسٹور بنوا دیا تھا اور مجھ سے کہا تھا کہ میں اوپر شفٹ ہو جاؤں۔ کیونکہ نیچے جگہ کم ہے۔ پندرہ مرلے کے اس بنگلے میں گل افشاں اور فاروق کے لیے اگر جگہ کی کوئی تنگی تھی تو وہ میرے ایک کمرے کی وجہ سے تھی۔ میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔

گل افشاں اب اپنا کھانا الگ پکایا کرتی تھی اور میں اپنا کھانا الگ پکاتی تھی لیکن صفائی کا سارا کام نیچے بھی میں ہی کرتی تھی اور مجھے کبھی اس بات پر شکایت نہیں ہوئی۔ بلکہ میں خوش تھی کہ میں فاروق اور گل افشاں کے لیے کچھ نہ کچھ تو کرتی ہی ہوں۔

وقت اسی طرح گزرتا تھا۔ مغیث اور ایاز کے بعد گل افشاں کے ہاں دو اور بیٹے عذیر اور رافع ہوئے۔ وہ خوش قسمت تھی کیونکہ اس سے شادی کے بعد سے فاروق کو پروموشن ملنا شروع ہوئے تھے اور لگاتار اس کی پروموشن ہوتی گئی تھی۔

سنبل کے بعد میں نے ملیحہ اور حذیفہ کو بھی اسکول میں داخل کروا دیا تھا۔ مگر گل افشاں کے بچوں اور میرے بچوں کے اسکول میں زمین آسمان کا فرق تھا میں تب بھی پرسکون تھی کہ کم از کم میں اس قابل تو ہوں کہ اپنے بچوں کو اسکول بھیج سکتی ہوں۔

پتا نہیں کیا بات تھی میرے تینوں بچے ہی تعلیم میں بہت اچھے تھے خاص طور پر سنبل۔ وہ بہت سمجھدار اور ڈسپلنڈ تھی اور بہت عجیب بھی۔ اس میں عجیب بات کیا تھی۔ یہ مجھے نہیں پتا بس وہ مجھے بہت عجیب لگتی تھی۔ اس میں میرے جیسے کمپلیکسز نہیں تھے اسے اپنی شکل اور رنگت پر کوئی افسردگی نہیں تھی نہ اس بات نے اس میں کوئی خوف پیدا کیا تھا۔

وہ بچپن سے ہر کلاس میں فرسٹ آتی رہی تھی اور پانچویں میں بھی اس نے اسکالرشپ لیا تھا۔ پورے سال میں میرے لیے سب سے بہترین دن وہ ہوتا۔ جب میں رزلٹ سننے بچوں کے اسکول جاتی تھی وہاں میرے ساتھ بڑا خاص قسم کا برتاؤ کیا جاتا تھا کیونکہ میرے تینوں بچے پوزیشن ہولڈرز ہوتے۔ صرف ایک دن کے لیے میں دوسرے والدین کے لیے ایک قابل رشک چیز بن جاتی تھی۔

ہے نا عجیب بات؟

انھیں سانولے اور عام شکل وصورت کے مالک بچوں کی وجہ سے اور خاص طور پر سنبل کی ماں ہونے کی وجہ سے۔

میں ہر سال رزلٹ سننے کے بعد گھر آنے پر اپنے بچوں سے کہتی کہ وہ فاروق کو اپنے رزلٹ کارڈ دکھائیں۔ پتا نہیں میں کس چیز کی تسکین چاہتی تھی حالانکہ فاروق رزلٹ کارڈ دیکھنے پر کسی خاص خوشی کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ وہ بڑے عام انداز میں کہہ دیتا تھا۔

''ہاں ٹھیک ہے۔ اچھی بات ہے۔''

ملیحہ اور حذیفہ تو اسی بات پر بہت خوش ہو جاتے۔ میری طرح مگر سنبل پتا نہیں کیوں ہر دفعہ کہتی۔

''پاپا! آپ دیکھ لیں۔ مغیث اور ایاز نے کوئی پوزیشن نہیں لی۔''

اس بات پر جہاں گل افشاں بگڑتی وہاں فاروق کے ماتھے پر بھی تیوریاں آجاتیں۔ میرا سانس بھی اٹک جاتا۔ گل افشاں کہتی۔

''وہ کسی عام اسکول میں نہیں پڑھ رہے۔ شہر کے سب سے اچھے سکول میں پڑھ رہے ہیں۔ وہاں تو ایک سے ایک قابل بچہ پڑھتا ہے وہاں کا پاس ہونا بھی تمہاری پوزیشن سے زیادہ اہم ہے۔''

''مگر پوزیشن تو پوزیشن ہی ہوتی ہے۔''

سنبل پھر بھی کہے جاتی، میں زبردستی اسے وہاں سے لے جاتی۔ میں نہیں چاہتی تھی کہ کوئی جھگڑا ہو۔ چوتھی کلاس تک ایسا ہی ہوتا رہا تھا۔ مگر پانچویں میں فرسٹ پوزیشن لینے کے بعد ملیحہ اور حذیفہ کی طرح فاروق کو شام کو رزلٹ دکھانے نہیں گئی تھی جب میں نے اسے فاروق کے پاس جانے کے لیے کہا تو اس نے بڑی لاپروائی سے کہا۔

''پاپا کو رزلٹ کارڈ دکھانے سے کیا ہوگا۔ میرا گریڈ تو نہیں بڑھ جائے گا۔''

میں اس کی بات پر حیران رہ گئی تھی۔

''پھر بھی تمھیں پاپا کو بتانا چاہیے ناں۔'' میں نے اصرار کیا تھا۔

''انھیں پتا چل ہی جائے گا۔ ملیحہ بتا دے گی۔ مگر میں ان کے پاس نہیں جاؤں گی۔''

اس نے اکھڑ انداز میں کہا تھا اور پھر وہ نہیں گئی تھی۔ بلکہ انعام میں ملی ہوئی کتابیں نکال کر پڑھتی رہی۔

پھر اکثر ایسا ہی ہونے لگا۔ میں چاہتی تھی وہ اپنی کامیابیوں کے بارے میں فاروق کو بتائے مگر وہ بتانا چاہتی ہی نہیں تھی۔

☆......✪......☆

مڈل میں اس نے ایک بار پھر اسکالر شپ لیا تھا اور عجیب تبدیلی جو اس میں آئی وہ یہ تھی کہ وہ مغیث کے بہت قریب رہنے لگی تھی۔ وہ مغیث اور ایاز دونوں کو ہوم ورک کروانے لگی۔ گل افشاں اس بات پر بہت خوش ہوئی تھی کیونکہ سنبل کے پڑھانے کی وجہ سے دونوں کے گریڈز بہتر ہونے لگے تھے۔ پھر ایک دن وہ اچانک فاروق کے پاس جا پہنچی تھی اور اس نے کہا تھا۔

''پاپا! مجھے نیچے ایک کمرہ چاہیے، علیحدہ جہاں میں آرام سے پڑھ سکوں۔''

میں اس وقت صحن دھو رہی تھی۔ اس کے مطالبے پر میں حیرانی سے اسے دیکھتی رہ گئی۔ فاروق بھی کچھ حیران نظر آیا تھا۔ پھر اس نے گل افشاں کے چہرے کی طرف دیکھا جو خود بھی متذبذب نظر آ رہی تھی۔

''میں وہی کمرہ لے لیتی ہوں جہاں ہم لوگ پہلے رہتے تھے۔ کل میں اپنی چیزیں سیٹ کرلوں گی۔''

وہ خود ہی سب کچھ طے کر رہی تھی۔ فاروق ابھی بھی چپ تھا۔

''وہاں تو میں نے کچھ سامان رکھوایا ہوا ہے۔ کمرہ تو نیچے کوئی بھی خالی نہیں ہے ورنہ میں تمھیں ضرور دے دیتی۔''

گل افشاں اچانک بولی تھی۔

''آنٹی! میں وہ سامان ساتھ والے کمرے میں رکھ دوں گی یا چلیں۔ وہ سامان وہیں رہنے دیتی ہوں۔ کیونکہ میرا کون سا بہت سا سامان ہے جو مجھے وہاں رکھنا ہے بس کتابیں ہی تو ہیں۔ ٹھیک ہے ناں۔''

سنبل کے اطمینان میں کوئی کمی نہیں آئی تھی۔ وہ یہ کہہ کر زیادہ دیر وہاں رکی نہیں تھی۔ بلکہ اوپر چلی گئی تھی۔ گل افشاں کے تیور بہت بگڑے ہوئے تھے مگر وہ خاموش تھی۔ فاروق کا چہرہ بھی بہت سنجیدہ تھا اور میری سمجھ میں نہیں آیا تھا کہ ہوا کیا ہے۔ وہ کیوں الگ کمرہ چاہتی ہے۔

اگلے دن صبح فاروق نے مجھ سے کہا کہ میں اس سے کہہ دوں کہ وہ نیچے نہ رہے۔ شاید اس سے گل افشاں نے کہا تھا۔ میں نے سنبل تک وہ پیغام پہنچا دیا تھا۔ وہ بالکل چپ رہی تھی مگر شام کو فاروق کے آتے ہی وہ نیچے چلی گئی۔

میں بھی لپکتی ہوئی اس کے پیچھے چلی گئی۔ وہ سیدھا گل افشاں کے کمرے میں چلی گئی۔ مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ اس کمرے میں چلی جاتی وہیں دہلیز کے باہر ہی رک گئی۔

''پاپا! کیا آپ نے مجھے الگ کمرہ دینے سے انکار کیا ہے؟''

وہ بلند آواز میں فاروق سے پوچھ رہی تھی۔

''ہاں کیونکہ نیچے کوئی کمرہ خالی نہیں ہے اور ویسے بھی تم ابھی اتنی بڑی نہیں ہوئیں کہ تمھیں الگ کمرہ......''

سنبل نے باپ کی بات کاٹ دی تھی۔ یہ ہمت میں کبھی نہیں کر سکتی تھی۔

''مغیث اور ایاز بھی تو چھوٹے ہیں پھر آپ نے انھیں الگ کمرہ کیوں دیا ہے؟''

''وہ لڑکے اور تم لڑکی ہو۔ اس قسم کی فضول باتیں دوبارہ کرنے کے لیے میرے پاس مت آنا۔ میں نے بس ایک دفعہ کہہ دیا ہے کہ تم اوپر

ہی رہو گی تو بس تم اوپر ہی رہو۔"

فاروق اس بار اسے غصے سے ڈانٹ رہا تھا۔

"ٹھیک ہے اگر آپ نیچے مجھے اور ملیحہ کو ایک کمرہ بھی نہیں دے سکتے تو پھر آپ امی سے نیچے والے حصے کی صفائی بھی نہ کروائیں پھر آپ ان سے کام کیوں کرواتے ہیں؟"

وہ باپ سے خائف نہیں ہوئی تھی۔ چند لمحوں کی خاموشی کے بعد مجھے گل افشاں کی تیز آواز سنائی دی تھی۔

"وہ اپنی مرضی سے کام کرتی ہیں۔ ان سے کوئی کہتا نہیں ہے اور اگر وہ صفائی کر دیتی ہیں تو کوئی احسان نہیں کرتیں۔ تم لوگ بھی آخر اس گھر میں ہی رہتے ہو۔"

"لیکن ہم لوگ اوپر رہتے ہیں اور آپ بھی تو یہیں رہتی ہیں۔ کیا آپ نے کبھی ہمارے چھت والے حصے کی صفائی کی ہے؟ پھر امی کیوں کریں؟"

"ٹھیک ہے، تم اپنی ماں سے کہہ دو۔ وہ صفائی نہ کرے اور تم اب یہاں سے دفع ہو جاؤ۔ میں اب تمہاری مزید بکواس سننا نہیں چاہتا۔"

فاروق اس بار بہت زور سے بولا تھا اور سنبل کمرے سے باہر آ گئی تھی۔ وہ مجھے دیکھ کر ٹھٹھکی پھر مسکراتے ہوئے خاموشی سے وہاں سے چلی گئی تھی۔ میں اس کے پیچھے گئی اور پہلی بار میں نے اسے بری طرح جھڑکا تھا مگر وہ بے حد پرسکون تھی۔

اگلے دن صبح جب میں نے صفائی کرنا چاہی تو گل افشاں نے مجھے روک دیا۔ پھر میں نے سنبل کی طرف سے بہت دفعہ معذرت کی تب اس نے مجھے کام کرنے دیا مگر بہت دیر تک وہ بڑبڑاتی رہی۔ اس نے مغیث اور ایاز کو بھی سنبل کے پاس ہوم ورک کرنے سے روکنا چاہا تھا مگر وہ اس میں کامیاب نہیں ہوئی۔ ان دونوں نے اتنی ضد کی تھی کہ وہ انھیں روک نہیں سکی۔

☆......✪......☆

سنبل نے میٹرک میں بھی نہ صرف اسکول میں ٹاپ کیا تھا بلکہ بورڈ میں بھی اس کی تیسری پوزیشن تھی۔ یک دم خاندان میں سے ہر ایک زبان پر سنبل کا نام آ گیا تھا۔ میں سنبل کو دیکھتی تو حیران ہوتی رہتی اسے کسی قسم کا کوئی احساس کمتری نہیں تھا نہ سانولی رنگت کا نہ عام سی شکل کا۔

اس میں بڑا عجیب سا اعتماد تھا۔ خاندان میں سے کوئی بھی آتا، وہ بڑی روانی سے اس سے باتیں کرتی جاتی، چاہے وہ کوئی اس کا ہم عمر ہوتا یا اس سے بہت بڑا۔ وہ اٹھی ہوئی ٹھوڑی اور آنکھوں میں آنکھیں ڈالے بڑی سنجیدگی سے بات کرتی رہتی۔ پہلی دفعہ مجھے احساس ہوا کہ لوگ اس سے بات کرتے ہوئے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ اس کی گفتگو میں اتنی ہی روانی اور لہجے میں ایسا ہی اعتماد تھا۔

اور پھر ایک عجیب بات ہوئی، فاروق سنبل پر توجہ دینے لگا تھا۔ شاید اس کی وجہ وہ تعریف تھی جو وہ مختلف لوگوں سے اس کے بارے میں سنتا رہتا تھا۔ وجہ جو بھی تھی مگر وہ اکثر کسی نہ کسی بہانے سے سنبل سے بات کرتا رہتا۔

اس کے میٹرک کے رزلٹ کے بعد میں نے خاندان کے لوگوں کو ایک پارٹی دی تھی۔ اس دن غیر معمولی طور پر فاروق بھی بہت خوش تھا۔ پارٹی کا پورا انتظام اسی نے کیا تھا۔ میں بھی اس دن بہت خوش تھی مگر سنبل بہت سنجیدہ تھی۔ پھر پارٹی کے دوران ہی جب سنبل کی آئندہ تعلیم کا ذکر ہوا تو فاروق بہت پرجوش انداز میں کہنے لگا کہ وہ آگے بھی سائنس ہی رکھے گی اور میڈیکل کی فیلڈ کی طرف جائے گی۔ مگر سنبل نے ایک قہقہے کے ساتھ کہا۔

"آپ پڑھنے کے لیے گھر کا ایک کمرہ دے نہیں سکتے۔ میڈیکل کے لیے لاکھوں روپیہ کیسے دیں گے۔"

یک دم ہر طرف جیسے خاموشی چھا گئی تھی۔ فاروق کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ سب لوگوں کی معنی خیز نظریں اس کے چہرے پر مرکوز تھیں۔ فاروق کمرے سے اٹھ کر چلا گیا تھا۔ پارٹی ختم ہونے کے بعد میں نے سنبل سے پوچھا کہ اس نے اس طرح کی بات کیوں کی اور وہ بھی سب لوگوں کے سامنے؟"

مگر اس نے میری بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔

سنبل نے ایف۔ اے میں اکنامکس لے لی تھی۔ وقت اسی طرح گزر رہا تھا۔ سنبل نے ایف۔ اے کرنے کے بعد بی۔ اے میں داخلہ لیا تھا اور اس کے پیچھے پیچھے ملیحہ اور حذیفہ نے بھی فاروق کی خواہش کو رد کرتے ہوئے ایف۔ اے میں اکنامکس ہی رکھی تھی۔



فاروق نے ان دنوں شہر کے ایک پوش علاقے میں گھر کی تعمیر شروع کروائی تھی۔ مکان کی تعمیر میں ایک سال کا وقت لگا تھا اور وہ بنگلہ تیار ہونے کے بعد وہ گل افشاں کے ساتھ وہاں شفٹ ہو گیا تھا۔ یہ ہم سب کے لیے ایک شاک تھا۔ کیونکہ ہمارا خیال تھا، وہ ہمیں بھی ساتھ لے کر جائے گا اس سے بھی بڑا شاک ہمیں تب لگا تھا جب اس نے گھر کی نچلی منزل کرائے پر چڑھا دی تھی۔

میں پہلے کی طرح اب بھی خاموش رہی تھی مگر سنبل نہیں۔ اس نے فاروق سے بہت بحث کی تھی اور اس بحث کا نتیجہ یہ ہوا تھا کہ وہ ناراض ہو کر چلا گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد جب میں نے سنبل کو کچھ کہنے کی کوشش کی تو اس نے بڑے ترش لہجے میں میری بات کاٹ دی۔

"امی پلیز" آپ کچھ مت کہیں۔ ساری عمر شوہر کے سامنے خاموشی کے ساتھ گزاری ہے تو پھر ہمارے سامنے یہ تقریریں کیوں؟ آپ

نے اپنی زندگی اپنے طریقے سے برباد کی۔ اب ہمیں اس کو اپنے طریقے سے سنوارنے دیں۔ جو ہمارا حق ہے۔ اس کے لیے اگر آپ نہیں لڑ سکتیں تو ہمیں تو لڑنے دیں۔''

زندگی میں پہلی دفعہ اس نے مجھ سے اتنی تلخی سے بات کی تھی۔ میں تو بس جیسے گم صم ہو کر رہ گئی۔

فاروق نے حسب معمول ناراض ہو کر جانے کے بعد اگلے ماہ خرچ کے لیے روپے نہیں بھیجے تھے۔ جب پہلی تاریخ کو گزرے ہوئے ایک ہفتہ گزر گیا تو ایک دن سنبل نے مجھے کچھ روپے لا کر تھما دیے۔ میرے پوچھنے پر اس نے کہا۔

''یہ خرچ کے روپے ہیں، پاپا سے لائی ہوں۔''

میں مطمئن ہو گئی۔ مگر شام کے وقت اچانک فاروق گھر آ گیا۔ اس کے چہرے کے تاثرات سے مجھے اندازہ ہو گیا کہ وہ بہت غصے میں ہے۔ سنبل اس وقت دوپٹے کے بغیر ٹانگ پر ٹانگ رکھے ایزی چیئر میں جھولتے ہوئے ایک کتاب پڑھ رہی تھی۔

اس نے فاروق کو کمرے میں داخل ہوتے ہوئے دیکھا تھا مگر نہ تو دوپٹہ اوڑھنے کی کوشش کی تھی اور نہ ہی جھولنا بند کیا تھا۔ ہاں کتاب بند کر دی تھی۔

''تم نے اسے روپے لینے کے لیے میرے دفتر کیوں بھیجا تھا؟''

اس نے آتے ہی سنبل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تیز لہجے میں مجھ سے پوچھا تھا۔ میں بوکھلا گئی۔

''مجھے امی نے نہیں بھیجا تھا۔ میں خود گئی تھی۔ کیونکہ مجھے کچھ روپوں کی ضرورت تھی۔ اگر آپ خود ہی وقت پر روپے دے جاتے تو میں کبھی آپ کے آفس نہ جاتی۔''

میں سنبل کی دیدہ دلیری اور اطمینان پر حیران تھی اور فاروق غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔

''تم اگر آئندہ کبھی میرے آفس آئیں تو میں تمھیں شوٹ کر دوں گا۔''

اس نے انگلی اٹھا کر اسے تنبیہ کرتے ہوئے کہا۔

''مجھے جب روپوں کی ضرورت ہو گی تو میں ضرور آؤں گی۔ آپ وقت پر روپے دے دیا کریں تو میں نہیں آؤں گی اور خرچ کے روپے بڑھائیں اتنے روپوں سے گزارا نہیں ہوتا۔ یہ 1999ء ہے 1299ء نہیں۔''

اس نے اپنی کرسی کو جھلانا بند کر دیا تھا۔ مگر کھڑی نہیں ہوئی تھی نہ ہی ٹانگ پر رکھی ہوئی ٹانگ کو نیچے اتارا تھا۔ فاروق ہونٹ بھینچے کچھ دیر اسے دیکھتا رہا اور پھر وہاں سے چلا گیا تھا۔

''سنبل! تمھیں کیا ہو گیا ہے، اس طرح کیوں کر رہی ہو؟'' میں نے فاروق کے جاتے ہی اس سے پوچھا تھا۔

''کیا ہوا ہے امی! مجھے؟ کچھ بھی تو نہیں ہوا۔ روپے باپ سے نہیں مانگوں گی تو اور کس سے مانگوں گی اور میں نے ملیحہ اور حذیفہ سے بھی کہہ دیا ہے کہ انھیں بھی جب روپوں کی ضرورت ہو تو وہ پاپا کے آفس چلے جایا کریں۔''

اس کا اطمینان برقرار تھا۔ اس نے ایک بار پھر کتاب کھول لی تھی اور کرسی پر جھولنا شروع کر دیا۔ مجھے جھرجھری آنے لگی تھی۔ وہ آخر کیا چاہتی تھی۔ وہ آخر یہ سب کیوں کر رہی تھی؟ میں ٹیوشنز کر کے ان کی ضرورتیں تو پوری کر رہی تھی پھر آخر اسے کس چیز کے لیے روپوں کی ضرورت تھی؟

میں بہت دیر تک غور سے اس کا چہرہ جو کہ بالکل مجھ سے مشابہ تھا دیکھتی رہی، رنگت بھی میری طرح ہی تھی مگر ہاں وہ میری طرح ہر وقت نظریں جھکائے نہیں رکھتی تھی۔ وہ ہر ایک کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر باتیں کرتی تھی۔ چاہے وہ میں ہو یا کوئی اور، چاہے وہ گل افشاں ہو یا پھر......پھر فاروق۔ اسے کوئی جھجک، کوئی خوف نہیں تھا۔

سانولی رنگت اور معمولی شکل کے باوجود وہ اپنے طریقے سے زندہ رہ رہی تھی۔ میری طرح دوسروں کی مرضی کے مطابق نہیں جی رہی تھی مگر کیسے؟ یہ ہنر اس نے کیسے سیکھا تھا۔ میں نے تو اسے کچھ نہیں سکھایا تھا میں نے تو اسے اپنے جیسی اطاعت اور فرمانبرداری سکھانے کی کوشش کی تھی۔ میرا خیال تھا، کالی عورت صرف اسی طریقے سے زندگی گزار سکتی ہے مگر اس نے ان دونوں چیزوں کو اٹھا کر دور پھینک دیا تھا اور دوسروں کی طرح زندگی گزارنے کی کوشش کر رہی تھی۔ خوبصورت لوگوں کی طرح۔ سفید رنگ والوں کی طرح۔

میں اس کے مستقبل کے بارے میں بے حد خوفزدہ ہو گئی تھی۔

☆......✪......☆

سنبل کی دوستی صرف مغیث اور ایاز کے ساتھ ہی نہیں تھی بلکہ عذیر اور رافع کے ساتھ بھی اتنی ہی تھی نہ صرف اس کی دوستی ان چاروں کے ساتھ تھی بلکہ بعض دفعہ وہ انھیں کسی نہ کسی بات پر جھڑک بھی دیتی تھی اور عجیب بات ہے کہ وہ بالکل خاموشی سے اس کی جھڑکیاں سنتے ہیں۔ ان میں سے کوئی بھی آگے سے کچھ کہنے کی جرأت نہیں کرتا تھا۔ خاص طور پر مغیث تو اس کے آگے پیچھے پھرتا تھا جب سنبل کا موڈ آف ہو جاتا تو وہ بہانے بہانے سے اس سے بات کرنے کی کوشش کرتا۔ اس سے معافی مانگتا۔

عجیب بات ہے ناں کہ وہ چاروں خوبصورت ہونے کے باوجود سنبل سے دبتے تھے۔ اس کی توجہ کے طالب رہتے تھے اور گل افشاں کی تمام تر برین واشنگ بھی انھیں سنبل سے برگشتہ نہیں کر پائی تھی۔

پہلے وہ چھپ چھپ کر اوپر آیا کرتے تھے مگر عمر بڑھنے کے ساتھ وہ کھلے عام اوپر آتے تھے اور گل افشاں بے بسی سے انھیں دیکھتی رہ جاتی تھی۔ سنبل نہ صرف انھیں ان کی سالگرہ پر تحفے دیتی رہتی تھی بلکہ دوسرے مواقع پر بھی انھیں کچھ نہ کچھ دیتی رہتی تھی۔ جواباً وہ بھی سنبل کے لیے کچھ نہ کچھ خریدتے رہتے تھے اور بعض دفعہ ان کی کوئی چیز سنبل کو اچھی لگتی تو وہ اس کے انکار کے باوجود اسے دے کر ہی دم لیتے۔

علیحدہ گھر میں شفٹ ہونے کے باوجود ہفتے میں تین بار مغیث اور ایاز گھر ضرور آتے اور سنبل بھی ہفتے میں دو تین بار ان کے گھر سے ضرور ہو کر آتی۔

سنبل کے بی اے کے پیپرز ہونے والے تھے جب اس دن فاروق حسب معمول ماہانہ خرچ دینے آیا تھا۔ اس کے آنے سے کچھ دیر پہلے مغیث آیا ہوا تھا۔ میں فاروق کے لیے چائے بنانے چلی گئی جب میں چائے لے کر واپس آئی تو سنبل فاروق سے کہہ رہی تھی۔

''پاپا! اب ایک کمرے میں گزارا کرنا بہت مشکل ہے، آپ یا تو ایسا کریں کہ ان کرایہ داروں کو یہاں سے نکال دیں اور ہم نیچے والی منزل پر شفٹ ہو جاتے ہیں۔ یا پھر آپ ہمیں اپنے ساتھ رکھیں۔

کیوں مغیث! ایک کمرے میں آج کل کے مہذب دور میں چار لوگ رہ سکتے ہیں؟''

اس نے براہ راست مغیث سے پوچھا تھا۔ میں کمرے میں داخل ہوگئی۔

''نہیں پاپا! یہ تو کسی بھی طرح سے مناسب نہیں ہے، آپ خود دیکھیں کہ ہم تو اتنے بڑے گھر میں رہ رہے ہیں اور یہ سب ایک کمرے میں۔ آپ نے خوانخواہ نیچے والا پورشن کرائے پر چڑھا دیا۔''

مغیث نے فوراً فاروق سے کہا۔ میں نے چائے کا کپ فاروق کو تھما دیا، جس کے چہرے پر الجھن نمایاں تھی۔

''ٹھیک ہے۔ میں نیچے والی منزل خالی کروا دوں گا۔'' کچھ دھیمی آواز میں اس نے کچھ دیر بعد کہا۔

''اور پاپا! مجھے کپڑوں کے لیے کچھ روپے چاہئیں۔ میری ایک دوست کی شادی آرہی ہے۔ مجھے اسے تحفہ بھی دینا ہے۔''

سنبل نے ایک اور فرمائش پیش کر دی۔ فاروق نے کچھ کہے بغیر جیب سے دو ہزار روپے نکال کر اسے تھما دیے۔

میں حیرانی سے سب کچھ دیکھ رہی تھی۔ پہلی بار اس نے اس طرح میرے بچوں میں سے کسی کو اس کی فرمائش پر کچھ دیا تھا۔ فاروق کچھ دیر بیٹھنے کے بعد مغیث کے ساتھ چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد سنبل نے وہ روپے مجھے تھما دیے۔

''مگر یہ تم اپنی کسی دوست......''

اس نے میری بات کاٹ دی۔ ''نہیں۔ کسی دوست کی شادی نہیں ہے اور اگر ہوتی بھی تو کیا میں اس قدر احمق ہوں کہ صرف کپڑے بنانے پر دو ہزار خرچ کر دوں۔ پاپا نے کبھی ہم لوگوں کو روپے نہیں دیے۔ انھیں ہمیں بھی اسی طرح جیب خرچ دینا چاہیے جیسے وہ مغیث وغیرہ کو دیتے ہیں اور اگلی بار میں پاپا سے یہی کہوں گی۔''

میں ایک دفعہ پھر حیرانی سے اسے دیکھ کر رہ گئی تھی۔ مغیث کی اس وقت وہاں موجودگی مجھے اب کوئی اتفاق نہیں لگ رہا تھا۔ سنبل نے اسے فون کر کے بلوایا تھا یہ کہہ کر کہ اس نے اس کے لیے کوئی خاص ڈش بنائی ہے۔ اس نے خاص ڈش تو بنائی تھی مگر اس کے بدلے مغیث کو استعمال کیا تھا۔ وہ جانتی تھی۔ فاروق ہر ماہ کی پہلی تاریخ کو شام میں آتا ہے۔ میں سنبل کو سمجھ نہیں پا رہی تھی۔

✡......✪......✡

اگلے ماہ اس نے اپنے اور اپنے بہن بھائیوں کے جیب خرچ کی بات کی تھی۔ اس بار مغیث کے ساتھ ساتھ ایاز بھی تھا۔ فاروق نے خاموشی سے یہ بات بھی مان لی تھی۔

دو ماہ کے بعد نیچے والی منزل خالی ہوگئی تھی اور ہم لوگ نیچے شفٹ ہوگئے تھے۔ پہلی بار وہ گھر صحیح معنوں میں مجھے اپنا لگا تھا۔ پہلی بار مجھے یوں لگا تھا کہ میں اس گھر کی مالکن ہوں۔ پہلی بار ہر چیز پر میرا اختیار تھا میں نے بچوں کو ٹیوشنز پڑھانا بند کر دی تھیں۔ کیونکہ سنبل کا خیال تھا۔ اب اس

کی ضرورت نہیں تھی۔

اس نے گل افشاں اور فاروق کے کمرے کو مغیث اور ایاز کے لیے مخصوص کر دیا تھا کہ اگر کبھی وہ وہاں رکیں تو اس کمرے میں ٹھہریں۔ جواباً مغیث نے اپنے گھر کا ایک کمرہ سنبل کے لیے مخصوص کر دیا تھا اور پھر سنبل وقتاً فوقتاً ان کے گھر جاتی اور ایک دو دن کے لیے ٹھہر بھی جاتی۔

بی اے میں بھی اس نے کالج میں ٹاپ کیا تھا اور پھر ایم اے اکنامکس میں داخلہ لے لیا تھا۔ ملیحہ اور حذیفہ بھی تعلیم میں اسی کی طرح بہت قابل تھے۔ سنبل کی طرح مجھے انھیں بھی کبھی کہنا نہیں پڑا کہ وہ اپنی تعلیم پر توجہ دیں یا اپنا وقت ضائع نہ کریں۔

تب ایک بہت ہی عجیب بات ہوئی تھی۔ میرے بڑے بھائی نے اپنے بیٹے سکندر کے لیے سنبل کا رشتہ مانگا تھا۔ مجھے ان کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔ سکندر بہت خوبصورت تھا۔ انجینئر تھا اور سب سے بڑھ کر یہ کہ اس کی رنگت سفید تھی اور سنبل ...... سنبل تو ....

میں نے سوچا شاید ایک بار پھر میری کہانی دہرائی جائے گی ایک بار پھر میرے بھائی نے مجھ پر ترس کھاتے ہوئے میری بیٹی کا رشتہ مانگا ہے اور سکندر ...... سکندر یقیناً بے خبر ہوگا۔

"سکندر پچھلے دو سال سے کہہ رہا تھا کہ ہم اس کے لیے سنبل کا رشتہ مانگیں مگر میں چاہتا تھا کہ سنبل آرام سے بی اے کر لے اور سکندر بھی اپنی جاب میں تھوڑا اسٹیبلش ہو جائے پھر میں رشتے کی بات کروں۔ اب تو خیر سے سکندر کی ترقی بھی ہو گئی ہے اور سنبل کا بی اے بھی مکمل ہونے والا ہے۔ اس لیے بہتر ہے۔ دونوں کی منگنی کر دی جائے، ایک سال بعد شادی کر دیں گے......"

مجھے اپنے بھائی کی بات پر یقین نہیں آیا تھا۔ سکندر نے خود رشتہ مانگا ہے۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ سکندر کیوں ایک سانولی اور معمولی شکل کی لڑکی سے شادی کرے گا۔

میں نے سوچا اور بھائی کو وجہ بتائے بغیر انکار کر دیا۔ وہ ہکا بکا رہ گئے تھے۔ شاید ان کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا کہ میں انکار کر سکتی ہوں۔ وہ بہت دیر مجھے سمجھانے کی کوشش کرتے رہے تھے مگر میں نے ہاں نہیں کی۔

آپ حیران ہو رہے ہیں ناں کہ میں اپنی ضد پر ایسے اڑ سکتی تھی اور میں...... میں ضد کر ہی کیسے سکتی تھی۔ مجھے خود بھی نہیں پتا کہ میں نے سب کچھ کیسے کیا تھا مگر بس میں نے بھائی کی بات نہیں مانی تھی۔ وہ مایوس ہو کر چلے گئے۔

میں نے سنبل کو بتا دیا کہ میں نے سکندر کا رشتہ ٹھکرا دیا ہے۔ اس نے کسی ردعمل کا اظہار نہیں کیا صرف خاموش رہی۔

اگلے دن سکندر خود ہمارے گھر آیا تھا۔ اس کی آمد کوئی بہت غیر معمولی بات نہیں تھی۔ وہ اکثر ہمارے گھر آیا تھا اور کافی دیر بیٹھا سنبل سے باتیں کرتا رہتا تھا۔ مجھے اس کی آمد پر کبھی اس لیے اعتراض نہیں ہوا تھا کیونکہ وہ میرے سامنے ہی مختلف معاملات پر سنبل سے بحث کرتا رہتا تھا اور وہ بہت سنجیدہ اور سمجھدار تھا۔ بعض دفعہ جب کسی بات پر سنبل سے اس کا زیادہ ہی اختلاف ہو جاتا تو وہ خاموشی مگر ناراضگی سے اٹھ کر چلا جاتا مجھے تکلیف ہوتی کیونکہ آخر وہ میرا بھتیجا تھا میں سنبل کو سمجھاتی تو وہ کندھے اچکا کر کہتی۔

"ہر ایک کا اپنا ایک نقطہ نظر ہوتا ہے۔ میرا بھی ہے۔ ضروری تو نہیں ہے کہ میں اس کے سکندر کی ہاں میں ہاں ملاتی جاؤں کیونکہ وہ ہمارے

گھر مہمان آیا ہے یا آپ کا بھتیجا ہے یا پھر اس لیے کہ وہ بہت خوبصورت اور سفید رنگ کا مالک ہے۔"

میں اس کے آخری جملے پر ہمیشہ چونک جاتی۔ وہ میرے ہی چہرے پر نظریں جمائے بہت گہری آنکھوں سے مجھے دیکھ رہی ہوتی۔ مجھے لگتا جیسے وہ میرا ذہن پڑھ لیتی ہے ورنہ یہ بات......

"ویسے بھی امی! اسے کون کہتا ہے، یہاں آ کر مجھ سے حالات حاضرہ اور اکنامک افیئرز پر بحث کرے اور پھر اگر آپ میں دوسرے کی بات سننے کا حوصلہ نہیں ہے تو بحث کرنی ہی نہیں چاہیے مگر اسے بحث کا شوق ہے تو پھر ٹھیک ہے۔ میں تو اپنی ہی بات کہوں گی، چاہے اسے پسند آئے یا نہ آئے۔"

وہ بڑی لاپروائی سے میرے چہرے سے کچھ دیر بعد نظریں ہٹا کر کہتی اور پھر کسی کام میں مشغول ہو جاتی۔

سکندر کا غصہ بہت جلد ختم ہو جاتا تھا۔ دو چار دن کے بعد وہ پھر ہمارے گھر موجود ہوتا اور ایک بار پھر نئے سرے سے بحث کر رہا ہوتا۔

مگر رشتہ بھیجنے کے بعد وہ سنبل سے کسی بحث کے لیے نہیں آیا تھا بلکہ مجھ سے پوچھنے آیا تھا کہ میں نے انکار کیوں کیا ہے؟ میں اسے کوئی وجہ نہیں بتا سکی مگر اپنے انکار پر جمی رہی۔

وہ بہت دلبرداشتہ ہو کر واپس گیا پھر وہ اکثر اسی بات کے لیے میرے پاس آتا رہا۔ اب وہ پہلے کی طرح سنبل سے بات نہیں کرتا تھا بلکہ آ کر سیدھا میرے پاس بیٹھ جاتا تھا۔ میں خاموشی سے اس کی باتیں، دلیلیں سنتی رہتی مگر اپنا فیصلہ نہ بدلتی۔

اس دن اس کے جانے کے بعد سنبل میرے پاس آئی۔

"امی! آپ اب اس قصے کو ختم کر دیں، یا تو اس رشتہ کو قبول کر لیں یا پھر اسے منع کر دیں کہ وہ یہاں مت آئے مجھے اس طرح ایک فضول چیز میں روز روز اپنے آپ کو گھسیٹنا اچھا نہیں لگتا۔"

میں خاموشی سے اسے دیکھنے لگی، وہ خاصی بیزار لگ رہی تھی۔

"ویسے آپ اس کو انکار کی کوئی مناسب وجہ کیوں نہیں بتا دیتیں۔" اس نے مجھ سے کہا تھا۔

"وہ تمہیں خوش نہیں رکھ سکتا۔" میں نے کہا۔

"کیوں؟" میں نے اس کے سوال پر نظریں چرا لیں۔

"ٹھیک ہے پھر آپ اس سے کہہ دیں کہ اس معاملے پر دوبارہ کبھی آپ سے بات نہ کرے۔ اور ہاں امی! ایک بات آپ سے ضرور کہنا چاہتی ہوں۔"

وہ میرے کمرے سے جاتے جاتے مڑ کر دروازے میں رک گئی۔

"ہر سفید شخص فاروق حسن نہیں ہوتا۔ آپ جس بات سے خوفزدہ ہو کر اس رشتے سے انکار کر رہی ہیں۔ وہ میرے لیے بالکل بے معنی ہے۔ مجھے زندگی گزارنا آتا ہے۔ اپنی کمزوری کو اپنی طاقت بنانا بھی جانتی ہوں۔ میرے ساتھ کوئی فاروق حسن جیسا سلوک نہیں کر سکتا۔"

وہ بڑے سکون سے کمرے سے نکل گئی تھی۔

لوگ کہتے ہیں۔ ماں اولاد کے دلوں کا حال جان لیتی ہے مگر میرے ساتھ اس کے برعکس ہوا تھا۔ وہ میرے دل کی ہر کیفیت، ہر خوف، ہر سوال کو جانتی تھی اور پتا نہیں ایسا کب سے تھا۔

☆......✪......☆

میں نے فاروق کو بلوایا تھا۔ میں سکندر کے رشتے کے لیے ہاں کرنے سے پہلے اس سے بات کرنا چاہتی تھی۔ مگر وہ میری بات سنتے ہی بھڑک اٹھا۔

''تم ہوتی کون ہو، اس کی شادی کے بارے میں فیصلہ کرنے والی، کم عقل عورت! کیا میں مرگیا ہوں جو میرے ہوتے ہوئے تم خود اس کی شادی کے بارے میں فیصلے کرنے لگی ہو۔''

اس نے مجھے بری طرح جھاڑ دیا۔

''مگر میں تو صرف......'' میں نے کچھ کہنا چاہا مگر اس نے میری بات کاٹ دی۔

''میں مبین کے بیٹے کے ساتھ تو اس کی شادی کبھی نہیں کروں گا۔ میں ابھی تک وہ ہنگامہ اور تماشا بھولا نہیں ہوں جو اس نے میری دوسری شادی پر کھڑا کیا تھا اور ویسے بھی سنبل کے بارے میں فائزہ باجی ایک سال پہلے ہی مجھ سے بات کر چکی ہیں میں انھیں ہاں کر چکا ہوں وہ اپنا ایم اے مکمل کر لے پھر میں وہاں اس کی شادی کر دوں گا۔''

فاروق نے اپنی بڑی بہن کا نام لیتے ہوئے کہا۔ فائزہ کا بیٹا سفیان کسی ملٹی نیشنل کمپنی میں کام کرتا تھا۔ سکندر کی طرح وہ بھی بہت خوبصورت تھا مگر میں اس کے مزاج کے بارے میں نہیں جانتی تھی کیونکہ وہ کافی عرصے سے سعودی عرب میں مقیم تھا۔

میں خاموشی سے فاروق کا چہرہ دیکھنے لگی۔ آج بھی مجھ میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ میں اس کی مخالفت کر سکوں، اس کے فیصلوں کے خلاف چل سکوں۔

''تم سنبل کو سفیان کے بارے میں بتا دینا، ہوسکتا ہے، اگلے ہی ہفتے باجی منگنی کر جائیں اور ایک بات میں واضح کر دوں۔ ملیحہ اور حذیفہ کے بارے میں بھی تم کوئی فیصلہ نہیں کرو گی۔ میں جہاں چاہوں گا۔ ان کی شادی کروں گا۔'' اس نے تیز آواز میں کہا۔

''کیوں پاپا! امی کوئی فیصلہ کیوں نہیں کر سکتیں؟ اور آپ کو کیا حق ہے کہ آپ میری مرضی کے بغیر میری شادی کے بارے میں کچھ طے کریں۔''

وہ پتا نہیں کب لاؤنج میں آ گئی تھی۔

''میں تمہارا باپ ہوں۔ تمہارے بارے میں کچھ بھی طے کر سکتا ہوں۔''

''اولاد کی زندگی کے فیصلے کرتے ہوئے صرف باپ ہونا کافی نہیں ہوتا اور بھی بہت سی چیزیں ضروری ہوتی ہیں۔''

وہ دھیمے اور خشک لہجے میں بولی تھی۔

''اولاد کے لیے فیصلے باپ ہی کرتا ہے۔''

''ماں کیوں نہیں کر سکتی۔ کیا آپ کل مغیث اور دوسرے بیٹوں کی شادی کے لیے لڑکی کے انتخاب کا اختیار اپنی بیوی دوسری بیوی کو نہیں دیں گے؟''

''ہاں دوں گا مگر تمہاری ماں فیصلہ کرنے کی اہلیت نہیں رکھتی۔ اس کے پاس نہ شکل ہے نہ عقل۔ یہ ہر لحاظ سے بہت معمولی ہے۔''

مجھے لگا تھا اس نے میری بیٹی کے سامنے میرے چہرے پر تھپڑ مار دیا تھا۔

''میرے سامنے دوبارہ یہ لفظ معمولی کبھی استعمال مت کیجئے گا جو خود معمولی ہوتا ہے، وہی دوسروں کے لیے یہ لفظ استعمال کرتا ہے۔ مجھ سے پوچھیں، آپ اس عورت کے مقابلے میں مجھے کتنے چھوٹے، معمولی اور عام لگتے ہیں۔ میری ماں کے پاس نہ شکل ہے نہ عقل۔ آپ کے پاس تو تھی نا؟ اپنی ساری ڈگریوں اور اعزازات کو اپنے آفس کی دس منزلہ عمارت کے باہر رکھ کر جلا دیں اور لوگوں کو بتائیں کہ آپ نے پچھلے تیس سال میں اپنے ذہن کو صرف اپنی بیوی اور بچوں کو ٹارچر کرنے کے طریقے ڈھونڈنے میں استعمال کیا ہے۔''

اس کی آواز بے حد تیز اور چہرہ سرخ تھا۔ فاروق کا چہرہ دھواں دھواں ہو رہا تھا اور میں...... میں سکتے کے عالم میں تھی۔

''آپ کو یہ عورت بدصورت لگتی ہے۔ کالی لگتی ہے بے عقل لگتی ہے۔ مجھ سے پوچھیں۔ مجھے یہ عورت کیا لگتی ہے۔''

وہ بات کرتے کرتے میرے پاس آ گئی تھی پھر بہت اچانک اس نے میرے گلے میں اپنے بازو ڈالے اور بہت نرمی سے میرا چہرہ چوم لیا۔ میرا سانس رک گیا میں نے فاروق کو دیکھا۔ کیا آپ یقین کریں گے زندگی میں پہلی بار میں نے اس کا چہرہ سیاہ ہوتے ہوئے دیکھا۔ پہلی دفعہ میں نے اس کی آنکھوں میں تاریکی دیکھی۔ پہلی دفعہ میں نے اس کے وجود کو کپکپاتے دیکھا۔

''میں آپ کو بتاؤں، اس عورت کے سامنے آپ تو مجھے نظر ہی نہیں آتے۔ آپ کو پتا ہے آپ جس وقت اس عورت کے سامنے آتے ہیں تو آپ کی حیثیت اور جسامت ایک چیونٹی جتنی بھی نہیں رہ جاتی۔ میرے دل میں آپ کے لیے کتنی نفرت، کتنا زہر ہے۔ یہ آپ نہیں جانتے۔ میں نے آج تک کسی کو نہیں بتایا کہ میرا باپ کیا ہے۔ آپ کے بارے میں مجھ سے وابستہ لوگ نام کے علاوہ کچھ نہیں جانتے۔ ایک جملہ تک نہیں، آپ نے بائیس سال کی زندگی میں مجھ پر اتنا اثر بھی نہیں چھوڑا کہ میں آپ کے لیے کوئی اچھا سا ایک جملہ بھی کہہ سکوں میری ماں کے بارے میں کہا جانے والا ہر برا لفظ آپ کو میرے سامنے دلدل میں اتارتا گیا اور اب تو آپ کا پورا وجود اس دلدل میں چھپ گیا ہے۔ صرف آنکھیں بچی ہیں صرف آنکھیں۔''

وہ بولتی جا رہی تھی۔ کہتی جا رہی تھی۔ حذیفہ اور ملیحہ بھی لاؤنج میں آ گئے تھے۔ مگر بے تاثر چہروں کے ساتھ وہ خاموشی سے سب کچھ سن رہے تھے۔ فاروق یک دم چلتے ہوئے اس کے پاس آیا اور تیزی سے اس کے چہرے پر تھپڑ مارنا چاہا۔ اس نے دونوں ہاتھوں سے باپ کا ہاتھ پکڑ لیا۔ ملیحہ اور حذیفہ بھاگتے ہوئے فاروق کے پاس کھڑے ہو گئے۔

''آپ نے ہم سے بات والی محبت نہیں کی۔ آپ کو مارنے کا حق بھی نہیں ہے میں مومنہ نہیں گل افشاں ہوں۔ کسی سے تھپڑ نہیں کھاؤں گی۔''

اس نے فاروق کے ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا اور پھر ایک جھٹکے سے ہاتھ نیچے گرا دیے اور پیچھے ہٹ گئی۔

''میں نے کیا نہیں دیا؟ تمھیں سنبل! کیا نہیں دیا؟'' فاروق کی آواز کسی کھائی سے آتی لگ رہی تھی۔

''آپ نے میری ماں کو کیا دیا؟ مجھ پر احسان نہ گنوائیں؟'' فاروق ہونٹ بھینچے چپ کھڑا رہا تھا۔

''نہیں پاپا! آپ کچھ نہیں کہہ سکتے۔ آپ نے تیس سال اس عورت کی اتنی تذلیل کی ہے کہ اب آپ کو بولنا ہی نہیں چاہیے۔ میں آپ سے محبت کرتی ہوں نہ آپ کی عزت۔ اس لیے میری زندگی کے بارے میں کچھ بھی طے کرنے کی کوشش نہ کریں، یہ حق میری ماں کا ہے اور یہ فیصلہ وہی کرے گی۔''

اس نے جیسے بات ختم کر دی تھی، فاروق بے اعتباری کے عالم میں اسے دیکھتا رہا تھا۔ پھر اس نے مجھے دیکھا تھا۔ اور پھر وہ جھکے ہوئے کندھوں کے ساتھ لاؤنج سے نکل گیا تھا۔ مگر جانے سے پہلے میں نے اس کی آنکھوں میں کچھ دیکھا تھا۔ اور اس چیز نے میرے اعصاب کو سن کر دیا تھا۔ میں نے تیس سال میں پہلی بار اس کی آنکھوں میں آنسو دیکھے تھے۔

خوبصورت شخص کو روتے دیکھنا کتنا عجیب ہوتا ہے نا۔

اور میں نے یہ منظر بھی آج دیکھ لیا تھا۔ اور آپ کو پتا ہے۔ وہ کیوں رو رہا تھا۔

''شاید آپ سوچ رہے ہوں گے...... کہ وہ آنسو پچھتاوے کے تھے۔

شاید آپ سوچ رہے ہوں گے وہ آنسو تذلیل کے تھے۔

شاید آپ سوچ رہے ہوں گے۔ وہ آنسو دکھ کے تھے۔

نہیں آپ غلط سوچ رہے ہیں۔

وہ آنسو سنبل کو کھونے کے تھے۔

وہ آنسو صرف اس لیے امڈے تھے کہ سنبل نے مومنہ کو فاروق پر ترجیح دی تھی۔

ہاں۔ میں جانتی ہوں۔ فاروق ہم میں سے کسی کو نہ سہی مگر سنبل کو ضرور چاہتا تھا۔ اسی کالی اور معمولی شکل کی سنبل کو۔

مگر یہ بات میری سمجھ میں نہیں آ رہی کہ سنبل نے ایک خوبصورت اور سفید باپ کے بجائے ایک کالی اور بدصورت ماں کا انتخاب کیوں کیا؟''

اس نے اس کی بات ماننے سے کیوں انکار کر دیا۔

آپ بتائیں، کیا ایسا ہو سکتا ہے کہ کوئی معمولی اور سانولی رنگت والا شخص کسی خوبصورت اور سفید رنگت والے کی بات ماننے کے بجائے کسی بدصورت اور کالی رنگت والے کی بات مانے۔ عجیب بات ہے نا اور آج ایسا ہی ہوا تھا۔

اور اب میں اس دیوار کے ساتھ کھڑی سوچ رہی ہوں کہ چند منٹوں پہلے آخر یہ ہوا کیا ہے اور میرا دل چاہ رہا ہے میں سنبل سے پوچھوں کہ

کیا میں نے زندگی کے تیس سال صحیح گزارے ہیں یا غلط۔ مگر میں جانتی ہوں وہ کہے گی۔

''امی! آپ نے زندگی کو بہت غلط طریقے سے گزارا ہے، کالا یا عام شکل کا ہونا کوئی ایسا جرم یا گناہ نہیں ہے کہ انسان اپنے سارے حقوق سے دستبردار ہو کر خوبصورت لوگوں کی غلامی کرنے لگے۔''

میں جانتی ہوں، وہ کہے گی۔

''کالا رنگ اتنا بڑا عیب نہیں ہوتا کہ انسان اپنے وجود کو چھپانے لگے۔ یہ اتنی بری چیز نہیں ہوتی کہ آپ اپنی پوری زندگی کو رنگ کے اردگرد ہی گردش دیتے رہیں۔''

اور پھر وہ کہے گی۔

''آپ کا وجود تھا۔ آپ نے اس کو منوایا کیوں نہیں جیسے میں نے منوایا؟

آپ کے حقوق تھے، آپ نے وہ لیے کیوں نہیں جیسے میں نے لیے؟

آپ نے زندگی کی ریس سفید اور خوبصورت رنگت والوں کے لیے صرف اس لیے چھوڑ دی کیونکہ آپ کی رنگت کالی تھی۔''

میں جانتی ہوں۔ سنبل کو زندگی میں میری طرح گھٹنوں کے بل گھسٹنا نہیں آتا اور میں یہ بھی جانتی ہوں کہ اگر میری جگہ وہ ہوتی تو فاروق حسن بھی وہ سلوک اس کے ساتھ نہیں کر سکتا تھا جو اس نے میرے ساتھ کیا۔ کالی اور عام سی شکل ہونے کے باوجود بھی۔

مگر مجھے یہ سارے ادراک، یہ سارے کشف پندرہ منٹ پہلے ہی تو ہوئے ہیں اور اب میری سمجھ میں نہیں آ رہا کہ میں کیا کروں گزرے ہوئے تیس سال کا سوگ مناؤں یا آنے والے سالوں کا جشن یا......

یا پھر گھٹنوں کے بل گر کر خدا کا شکر ادا کروں کہ اس نے دنیا میں کسی ایک انسان کے لیے تو میرا وجود، میری ذات غلاف کعبہ جیسا بنایا۔ سیاہ اور مقدس۔ اور وہ انسان سنبل ہے۔

آپ بتائیں مجھے کیا کرنا چاہیے؟ آپ تو بتا سکتے ہیں۔

✡......✪......✡